تحقیقی مقالہ برائے بی ایس اسلامک سٹڈیز

الحادی نظریات کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار

محمد عابد

رولنمبر: ۱۸۵۴۹۴

نگران مقالہ

میاں اسعد اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اسلامیات

گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج پشاور

ملحقہ جامعہ پشاور

سیشن ۲۰۲۲-۲۰۱۸

تحقیقی مقالہ برائے بی ایس اسلامک سٹڈیز

الحادی نظریات کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار

محمد عابد

رولنمبر: ۱۸۵۴۹۴

نگران مقالہ

میاں اسعد اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اسلامیات

گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج پشاور

ملحقہ جامعہ پشاور

سیشن ۲۰۲۲-۲۰۱۸

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ زیر نظر مقالہ بعنوان "الحادی نظریات، ایک فریب" مقالہ نگار محمد عابد نے میری نگرانی میں بی ایس اسلامیات کی ڈگری کیلئے مکمل کیا ہے۔ سکالر نے موجودہ وسائل سے استفادہ کیا ہے۔ میں اس مقالے کی تسوید بندی سے مطمئن ہوں۔ یہ مقالہ فاضل مقالہ نگار کو بی ایس اسلامیات کی سند (ڈگری) کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

بیرونی ممتحن

فدا حسین

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ ڈگری کالج متھرا پشاور

اندرونی ممتحن

میاں اسعد اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر

گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج پشاور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

ہدیہ تشکر

تمام تر تعریفیں اس رب کائنات کے لئے ہے جس کے ہاتھ میں پوری کائنات کی بادشاہی ہے۔احقر اللہ کا جتنا شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اس نے راقم کو ایسے دقیق اور پیچیدہ موضوع پر قلم کشائی کی توفیق دی اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بندوبست کیا۔کوئی شک نہیں کہ اللہ کی مدد کے بغیر یہ کام مکمل کرنا محال تھا۔

اللہ کے بعد میں اپنے والدین کا بے حد ممنون ہوں کہ یہ انہی کی تربیت کا ثمرہ ہے کہ آج میں اس قابل ہوا بالخصوص میرے والد مرحوم جنہوں نے خون پسینہ ایک کر کے ہمیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔

ساتھ ساتھ میں ڈاکٹر میاں اسعد اللہ صاحب اور پروفیسر اعجاز احمد صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری قدم قدم پر رہنمائی کی کہ شاید ہی ان کی مدد کے بغیر یہ ہو پاتا۔

محمد عابد

بی ایس(اسلامیات)

شعبہ اسلامیات

گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج پشاور

مقدمہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہیں دین کل کا کل قرآن وحدیث ہے۔ قرآن کو وحی متلو اور حدیث کو وحی غیر متلو کہتے ہیں ان دونوں کو وحی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں خالص اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞[1]

اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا

یہی وجہ ہے کہ علم کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے ایک علم بالوحی اور دوسرا علم بالحواس ہے۔ علم الوحی سے مراد قرآن ہے۔ جس کو اللہ نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اتارا اور علم بالوحی کو مذہب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ علم بالحواس سے مراد وہ علم ہے جو انسان حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کرتا ہے جو کچھ وہ محسوس کرتا ہے، سمجھتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے اور اسی بنا پر مشاہدہ کر کے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے اسے علم بالحواس کہا جاتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں سائنس کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

چونکہ علم بالوحی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کا علم کامل ہے لہذا اس میں کوئی بھول چوک نہیں جب کہ سائنس کی بنیاد انسانی عقل ہے جو کہ کامل نہیں اور خطاؤں کا عادی ہے اس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لئے مذہب اور سائنس دونوں کی ضرورت ہے اس دور میں اگر کوئی شخص محض مذہب تک ہی محدود رہیں تو وہ دنیا کی دوڑ سے بہت پیچھے رہ جائے گا اور اگر کوئی شخص سائنس کو ہی کل سمجھے تو اس کی آخرت جاتی رہے گی لہذا مذہب اور سائنس دونوں کا ساتھ چولی دامن کا ہے۔

لیکن ایک انسانی گروہ عرصہ قدیم سے اس کرہ عرض پر پایا جاتا ہے جو کہ مذہب سے بالکل منکر ہے اور ان کا عروج بالخصوص ۱۸ویں صدی کے بعد شروع ہوا۔ یہ لوگ سائنس کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور آج کے دور کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج جب کہ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے تو ہمیں مذہب کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ لوگ خدا، رسول اور آخرت کے منکر ہے اور یہ لوگ ملحد کہلاتے ہیں

زیر نظر تحقیقی مقالہ میں ان کے چند نظریات کا تفصیل کے ساتھ رد کیا گیا ہے جس کے بارے میں اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ انہیں نظریات پر الحاد کی بنیاد کھڑی ہے وہ نظریات یہ ہیں کہ

۱: اس کائنات کا کوئی خالق نہیں

---

[1] سورت نجم ۳۰

۲:انسان پہلے بندر تھااور ارتقاء کے منازل طے کر کے انسان بنااور

۳:یہ خدا موجود نہیں اور اگر موجود ہے تو اس کا خالق کون ہے ؟۔

موضوع کی اہمیت:

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد مذہب سے دور اور سائنس کی شیدائی ہوتی جارہی ہے جن میں اکثریت نوجوانوں کی ہے۔پاکستان چونکہ ایک اسلامی ریاست ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور یہاں پر دین سے پھر جانے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لہذا اگر کوئی دین سے مرتد ہو جائے تو ظاہر نہیں کرتا اس کے باوجود ۲۰۰۵ کی گیلپ سروے کے مطابق پاکستان میں ملحدین کی تعداد ایک فیصد تھی جو کہ ۲۰۱۲ میں دو فیصد ہو گئی. لیکن جب ۲۰۱۶ میں اسلام مخالف بولنے پر سزائیں دینے کا قانون نافذ ہوا تو یہ تعداد واپس ایک فیصد تک آگئی اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ پاکستان میں ملحدین کی تعداد کم ہو گئی مگر یہ کہ پابندیاں لگنے کی وجہ سے وہ چھپ گئے اور اب وہ خود کو ظاہر نہیں کرتے۔

لہذا اس دور کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس فتنہ کی حقیقت کو جاننے اور ممکن حد تک اس کے بارے میں علم اور آگاہی حاصل کریں اور اس دور کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی نوجوان نسل کی قرآن و حدیث کے ذریعہ سے رہنمائی کریں اور انہیں اس اندھے کنویں میں گرنے سے بچائے۔

اسلوب تحقیق:

زیر نظر مقالہ کی تکمیل میں راقم نے مختلف ذرائع سے استفادہ کیا ہے جن میں کتب، ویب سائٹس، اور ہو ٹیوب بھی شامل ہے۔ کتابوں میں ڈاکٹر اسرار احمد کی تفسیر بیان القرآن،ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء، حافظ و قاص خان کا تحقیقی مقالہ عصر حاضر میں مسلم معاشروں کو درپیش نظریہ الحاد کا فکری چیلنج اور اسلامی تناظر میں اس کا حل اور ویب سائٹس میں منہاج بکس سر فہرست ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ:

ہارون یحییٰ کی تصنیف نظریہ ارتقاء، ایک فریب ایک مدلل کتاب ہے جس میں انہوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں موجود خامیوں کو تلاش کر کے انکا تفصیل سے رد کیا ہے۔ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء میں انھوں نے قرآن میں موجود انسان کی ارتقائی تخلیق کا ذکر کیا ہے۔ضیاء الحق کا تحقیقی مقالہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں خدا کا تصور کا تحقیقی اور تقابلی جائزہ میں مصنف نے دیگر مذاہب کے خدا کے متعلق پائے جانے والے عقائد کو تفصیل سے بیان کیا۔اور حافظ و قاص خان کا تحقیقی

مقالہ عصر حاضر میں مسلم معاشروں کو درپیش نظریہ الحاد کا فکری چیلنج اور اسلامی تناظر میں اس کا حل میں راقم نے الحاد کی تعریف، اس کی اقسام، معاشرے میں رائج الحاد کی مختلف صورتوں اور عصر حاضر میں درپیش الحادی چیلنجز کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل پیش کیا ہے۔

اہداف تحقیق:

زیر نظر تحقیقی مقالے میں راقم کے سامنے مندرجہ ذیل اہداف و مقاصد کا حصول ہے۔

۱: الحادی نظریات کی تفصیل سے آگاہی حاصل کرنا

۲: الحادی نظریات کا قرآن و سنت سے موازنہ کرنا

۳: الحادی نظریات کے متعلق لوگوں میں شعور اجاگر کرنا

۴: امت مسلمہ بالخصوص نوجوان نسل کو الحاد سے محفوظ کرنا

باب اول

الحاد اور اسلام کا تعارف

1.1 فصل اول:

الحاد کی تعریف

الحاد کے معنی سیدھے راستے سے کتر جانا، دین حق سے پھر جانا، ملحد ہو جانا [1]۔ علامہ ابن منظور الحاد کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "الملحد العادل عن الحق المدخل فیہ ما لیس فیہ": یعنی ملحد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے اور اس میں ایسی چیز کی آمیزش کرے جو اس میں نہیں ہے، اس کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے: یلحدون ای یعترضون۔ یعنی وہ اعتراض کرتے ہیں۔ [2]

مریم ویبسٹر ڈکشنری کے مطابق:

"The belief that there is no God".[3]

"ایسا عقیدہ جس میں کسی خدا کا تصور موجود نہ ہو"

جولین بیجینی نے "Atheism: A Very Short Introduction" میں الحاد کی تعریف اس طرح بیان کی ہے۔

"It is the belief that there is no God or Gods." [4]

"ایک خدا یا کسی بھی خدا کو نا ماننے کا نام ایتھیزم یا الحاد ہے"

الحاد کا بنیادی مفہوم یہی ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا کہ خدا اور رسول اور آخرت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے.

الحاد بصورت گمان:

نبی مہرباں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں بیشتر وہ لوگ تھے، جو کسی نہ کسی صورت میں خدا کو مانتے تھے۔ لیکن چند لوگ ایسے بھی تھے جو خدا کے منکر تھے۔ ان کا تذکرہ قرآن کی سورت جاثیہ میں ہوا ہے:

---

[1] فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، طبع ۲۰۱۰، ص ۱۱۴

[2] الازہری، کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع ۱۹۶۵ء، ص ۳۳۵

[3] *Webster Comprehensive Dictionary* (Chicago: Ferguson Publishing Company, 2000), 91.

[4] Julian Baggini, *Atheism: A Very Short Introduction* (New York: Oxford University Press, 2003),3.

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ [1]

"اور یہ قیامت کے منکریوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم نہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو کوئی نہیں مارتا مگر زمانہ اور ان منکروں کے پاس اپنے اس کہنے پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ لوگ محض خیالی باتیں کیا کرتے ہیں"

اللہ رب العالمین نے اس دہریت کا جواب یہاں صرف یہ دیا ہے کہ ان حضرات کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، عصر حاضر کی دہریت کی حقیقت بھی یہی ہے، بلا ثبوت رائے کوئی بھی بنا سکتا ہے، جیسا یہ لوگ فقط گمان کی بنیاد پر اندازے لگا رہے ہیں جیسا کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دہریوں نے بنا رکھی تھی۔

الحاد کی تاریخ:

الحادی فلسفہ کوئی نیا نہیں ہے، اس کی تاریخ بہت پرانی ہے، نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے انا أحی وأمیت[2] کا دعوی اور فرعون کا انا ربکم الأعلی[3] کا نعرہ بھی در اصل نظریہ الحاد کی سوچ کو تقویت دیتا ہے۔ قرآن میں الحاد کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ [4]

"جو لوگ ہماری آیات کو الٹے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے کچھ چھپے ہوئے نہیں ہیں۔"

پہلے زمانے میں مذہب کے مقابلے میں الحاد و دہریت کا پھیلاؤ اس لیے بھی کم رہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالی کے پیغام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، جب کہ ملحد الحاد کے کبھی داعی نہیں رہے، اس لیے ایک جانب توحید کے دعوے دار تھے اور دوسری جانب کسی نہ کسی صورت میں شرک پر عمل پیرا تھے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑے مذاہب میں صرف بدھ مت ہی ایسا مذہب ہے جس میں کسی خدا کا تصور نہیں پایا جاتا۔ الحاد کو باقاعدہ نظریہ کے طور پر شناخت سترہویں صدی میں ملی، سترہویں صدی عیسوی سے قبل سائنس کی تحقیق کا مقصد تحقیق کائنات تھا لیکن سترہویں صدی عیسوی کے بعد سائنس کا مقصد تسخیر کائنات بن گیا، حقیقت اعلیٰ کی تلاش ختم ہو گئی کیونکہ نفس انسانی کو ہی اصل حقیقت قرار دیا گیا، لہذا فلسفہ جدید میں سب سے بڑی حقیقت یعنی اقتدار اعلیٰ (بھگوان، خدا، کرشن، دیوتا) کوئی نہیں بلکہ انسان ہی کو سمجھ لیا گیا۔ "کانٹ کی دلیل یہ تھی" "I think therefore I am" "میں سوچ سکتا ہوں اس لیے

---

[1] القرآن، الجاثیہ، 24

[2] القرآن، البقرہ، ۲۵۸

[3] القرآن، النازعات، 24

[4] القرآن، افصلت، ۴۰

میں ہوں۔ اس نے کہا کہ کائنات میں صرف میرا وجود یقینی ہے اس کے علاوہ جو میں دیکھ رہا ہوں، ہو سکتا ہے وہ خواب ہو مگر یہ طے ہے کہ میں خود تو موجود ہوں جو یہ خواب دیکھ رہا ہے۔[1]

اٹھارویں صدی میں الحادی نظریے کو اُس وقت عروج ملنا شروع ہوا جب یورپ میں مذہب کی مخالفت میں اضافہ ہوا اور سیاسی طور پر بھی مذہب مخالف سوچ نے زور پکڑا، لیکن انیسویں صدی میں جب چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو قبول عام حاصل ہوا تو گویا الحاد نے ایک مذہب کی صورت اختیار کرلی، جس کا رہنما ڈارون تھا اور اس کا نظریہ اس مذہب کی مقدس کتاب قرار پائی، بس پھر اس صدی میں الحاد کی ترویج شروع ہوئی اور اس کے عالمگیری اثرات سے بشمول اسلامی معاشروں کے پوری دنیا متاثر ہوئی۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں الحاد کے نظریاتی اور فلسفیانہ پہلو اہم تھے جس نے خصوصاً الہامی ادیان کے وہ عقائد جن پر ان ادیان کی اساس تھی یعنی وجود باری تعالی، رسالت اور تصور آخرت پر حملہ کیا۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فکری میدان میں الحاد کو اسلام کے مقابلے میں متوقع کامیابی حاصل نہ ہو سکی البتہ عیسائیت کے مقابلے میں اسے جزوی فتح حاصل ہوئی۔ انیسویں صدی میں الحاد مزید پھیلا۔ بڑے بڑے ملحد مفکرین جیسے مارکس انجلز، نٹشے، ڈرخم اور فرائڈ نے سائنس اور فلسفے کی مختلف شاخوں کے علم کو الحادی بنیادوں پر منظم کیا۔ ان میں سے مارکس اور انجلز ماہر معاشیات (Economists)، نٹشے ماہر فلسفہ (Philosopher)، ڈرخم ماہر عمرانیات (Sociologist) اور فرائڈ ماہر نفسیات (Psychologist) تھے۔

ہارون یحیی الحاد کی ترویج کے حوالے سے ڈارون کا کردار بیان کرتے ہیں:

> The greatest support for atheism came from Charles Darwin who rejected the idea of creation and proposed the theory of evolution to counter it. Darwinism gave a supposedly scientific answer to the question that had baffled atheists for centuries: “How did human beings and living things come to be? This theory convinced a great many people of its claim that there was a mechanism in nature that animated lifeless matter and produced millions of different living species from it.[2]

"الحاد کو سب سے زیادہ مدد ماہر حیاتیات (Biologist) چارلس ڈارون سے ملی جس نے تخلیق کائنات کے نظریے کو رد کر کے اس کے برعکس ارتقا (Evolution) کا نظریہ پیش کیا۔ ڈارون نے اس سائنسی سوال کا جواب دے دیا تھا جس نے صدیوں سے ملحدین کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ سوال یہ تھا کہ " انسان اور جان دار اشیا کس طرح وجود میں آتی ہیں؟" اس نظریے کے نتیجے میں بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہو گئے کہ فطرت میں ایسا آٹومیٹک نظام موجود ہے جس کے نتیجے میں بے جان مادہ حرکت پذیر ہو کر اربوں کی تعداد میں موجود

[1] محمد احمد، تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید، العارفی پبلشرز، فیصل آباد، طبع ۲۰۱۴، ص ۲۹۳

[2] Harun Yahya, *The Fall of Atheism* (Istanbul: Good Word Books, 2003), 26 .

جان دار اشیا کی صورت اختیار کرتا ہے "۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بے جان مادہ کو حرکت دینے والی ایک ذات موجود ہے اور وہی ذات خالق کائنات ہے، پہلی جاندار اشیاء اور پہلے انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا"۔

خدا کے تصور کے منکر سائنسدانوں میں ایک بڑا نام اسٹیفن ہاکنگ کا ہے، ۱۹۴۲ء میں انگلینڈ میں پیدا ہونے والے اسٹیفن کو سائنس کی دنیا میں انفرادیت حاصل تھی اور اس انفرادیت کی وجہ اس کی فالج کی بیماری تھی جس کے سبب اس کا جسم اور قوت گویائی بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی آنکھوں اور پلکوں کی مدد سے کمپیوٹر کو استعمال کرتے ہوئے سائنسی تصورات پیش کرتا رہا۔ پروفیسر محمد رفعت، اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: " تخلیق کائنات کے تصور کے بعد اسٹیفن ہاکنگ خدا کے بارے میں گفتگو کرتا ہے کہ ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت اس وقت تھی جب سائنس نے ترقی نہیں کی تھی اور ہم کائنات کی توجیہ کے لیے خدا کے تصور کا سہارا لیتے تھے، اب ہم سائنس کے نظریات و حقائق کو جانتے ہیں اس لیے ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت نہیں ہے "[1]

یہ خدا کو محض سائنس تک ہی محدود کرتا ہے کہ اب چونکہ سائنس کے میدان میں خدا کی ضرورت نہیں لہذا خدا کے تصور کی ضرورت نہیں ہے، جبکہ خود اس کی غیر معمولی بیماری میں اس کا غیر معمولی کام خود اس بات کی شہادت کے لیے کافی تھا کہ پہلے صحت بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور خدا نے جب چاہا لے لی اور پھر اس مرض میں یہ صلاحیت بھی خدا کی دی ہوئی تھی۔

نظریہ ارتقا کو تقویت ملنے کے بعد کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے گسٹیو ائی دون لکھتے ہیں:

> Thus, the government of Allah and the government of the sultan grew apart. Social and political life was lived on two planes, on one of which happenings would be spiritually valid but actually unreal, while on the other no validity could ever be aspired to. The law of God failed because it neglected the factor of change to which Allah had subjected his creatures.[2]

نتیجتاً اللہ کی حکومت اور سلطان کی حکومت الگ الگ پروان چڑھنے لگیں، سیاسی اور سماجی زندگیاں دو سطحوں پر بسر کی جانے لگیں، اللہ کا قانون جو اس نے اپنے بندوں کے لیے وضع کیا تھا، ناکام ہو گیا کیونکہ اس نے تبدیلی کے عنصر کو نظر انداز کر دیا تھا یہ ناکامی آج تک چلی آرہی ہے۔

لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ میں الحادی نظریہ کو تقویت در اصل نظریہ ارتقا کی وجہ سے ملی ہے۔ سید جلال الدین عمری اپنے مقالے میں لکھتے ہیں کہ:

---

[1] محمد رفت، اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ 37:4، طبع ۲۰۱۸، ص32

[2] Gustave E. Von Grunebaum, *Medieval Islam: A Study in Cultural Orientation* (New York: Chicago University Press, 1946), 143

> زمانہ جدید نے کائنات کی جو توجیہ کی وہ خدا کے تصور سے خالی ہے، اس نے کہا اس کائنات کا کوئی خالق ہے نہ مالک، یہ محض مادہ کا ظہور ہے، مادہ ہی اس کا خالق ہے، مادہ ہی نے اتفاق سے ایک نامعلوم عرصے میں مختلف سیاروں اور ستاروں کی شکل اختیار کر لی اسی میں یہ ہمارا انظام شمسی بھی داخل ہے، یہاں پائی جانے والی ساری جاندار اور بے جان چیزیں اور خود انسان کا وجود بھی اسی اتفاق کا کرشمہ ہے، اس زمین و آسمان میں نہ کہیں خدا کا وجود ہے اور نہ اسے ماننے کی فی الواقع کوئی ضرورت ہے، کائنات کی یہ توجیہ آج کے دور کی علمی و سائنٹیفک توجیہ مان لی گئی۔[1]

یہی وہ مادہ پرستانہ سوچ ہے جو کہ عقل سے ہی متصادم ہے اور اس حوالے سے روزمرہ کے معاملات ہی یہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں کہ ایک چھوٹی سی گھڑی کی سوئی بغیر کسی سیل کے آگے نہیں بڑھ سکتی تو اتنی بڑی کائنات کو چلانے کے لیے ایک مادہ کو خدا کے برابر لانے کا تصور کیسے کر لیا گیا ہے۔

الحاد کے اسباب:

عوام الناس نظریہ الحاد کو مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے قبول کرتے ہیں۔

مذہبی حالات:

الحادی نظریے کا ایک بڑا سبب مذہبی حالات بھی ہیں جو کہ اپنی اصل سے دور ہوتے ہیں، مذہب کی غلط تشریح اور اس پر شدت پسندی کے ساتھ عمل کرنا اور اس کی ترغیب دینا بھی مذہب سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ محمد قطب، ڈارون کے انکار خدا کی وجوہات کا اس طرح تجزیہ کرتے ہیں کہ ڈارون کے وجود خداوندی کے اعتراف سے گریز کی دو وجہیں ہیں:

> اس وقت سائنس اور کلیسا میں زبردست جنگ برپا تھی، کلیسا سائنس دانوں پر ہر قسم کے مظالم توڑ رہا تھا، جس کے نتیجے میں سائنس دانوں اور کلیسا میں اس قدر کشیدگی پیدا ہو گئی تھی کہ سائنس دان کسی ایسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے جس کو کلیسا بھی مانتا ہو، خواہ خدا کے وجود کا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو۔ گویا ڈارون کلیسا کے خدا کا اس لیے منکر تھا کہ کلیسا خود متلاشیان حقیقت کی کوئی بات انگیز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کلیسا کے خداوند کا اعتراف در اصل ان تمام خرافات کا تسلیم کر لینا تھا جو کلیسا نے مذہب کے نام پر گھڑی ہوئی تھیں اور عوام نے انہیں مذہب سمجھ کر اپنا رکھا تھا۔[2]

---

[1] سید جلال الدین عمری، انکار خدا کے نتائج، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، 3:2، طبع ۱۹۸۴ء، ص ۵

[2] محمد قطب، اسلام اور جدید مادی انکار، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، طبع ۱۹۸۷ء، ص ۴۵

مادیت پرستی:

ادیت پرستی بھی الحاد کی طرف رغبت کا ایک بڑا سبب ہے ، انسان عموماً ظاہری چیزوں سے متاثر ہوتا ہے ، دولت کی ریل پیل، آسائشیں، ترقی، عزت، اچھا کھانا، پہنا، بہترین رہائش، بچوں کی اعلیٰ تعلیم یہی چیزیں انسان کا مطمع نظر ہوتی ہیں اور جب اہداف صرف یہی ہوں تو انکار خدا کا نظریہ بآسانی اذہان میں نفوذ پذیر ہو جاتا ہے۔

موروثیت:

بعض گھرانے صرف اپنے بڑوں کی وجہ سے ملحد ہو جاتے ہیں، یہ بالکل اسی طرح ہے کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والا عموما مسلمان ہی ہوتا ہے۔

الحاد کی اقسام:

دور حاضر میں الحاد کی تین بڑی اقسام ہیں جنہیں مروجہ اصطلاح میں Gnosticism، Agnosticism، Deism کہا جاتا ہے۔

الحاد مطلق (Gnosticism):

اس سے مراد معرفت یا علم رکھنا، یہ ملحدین کی وہ قسم ہے جو خدا کے انکار کے معاملے میں متشدد ہیں۔ یہ لوگ روح، دیوتا، فرشتے، جنت و دوزخ اور مذہب سے متعلقہ روحانی امور اور مابعد الطبعیاتی (Meta Physical) امور کو کسی صورت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ انسان اور کائنات کی تخلیق میں کسی خالق کا کمال نہیں ہے بلکہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور فطری قوانین (Laws of nature) کے تحت چل رہی ہے۔ اس نقطہ نظر کے حامل لوگوں کو Gnostic Atheist کہا جاتا ہے۔[1]

لاادریت (Agnosticism):

اگناسٹک اس فرد کو کہتے ہیں جو خدا کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے یقین یا علم میں کمی کی کیفیت میں ہو اور کہے کہ مجھے خدا کے وجود کی آگاہی اور ادراک نہیں ہے، وہ دراصل تذبذب کا شکار ہوتا ہے نہ وہ خدا کی موجودگی کا اقرار کرتا ہے اور نہ ہی انکار۔ عصر حاضر میں مبشر علی زیدی اس کی مثال ہیں، مبشر زیدی نے کہا کہ وہ اعلانیہ اگناسٹک ہے، یعنی خدا سے متعلق شک میں مبتلا ہے اور اس کا ماننا ہے کہ

---

[1] حافظ محمد شارق، الحاد اور جدید ذہن کے سوالات، الحاد ایک تعارف، کتاب محل، لاہور، طبع ۲۰۱۷ء، ص۸

وہ علمی جستجو میں ہے اور اسلام میں علم کی راہ میں مرنے والا شہید کہلاتا ہے۔ یہ اس نے اس لیے بتایا کہ اسے ملحد نہ سمجھا جائے۔ ملحدین خدا کا انکار کرتے ہیں جبکہ اگناسٹک خدا کے ہونے یا نہ ہونے کے معاملے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ مزید اس نے کہا کہ:

> سائنسی فکر اور غیب پر ایمان یکجا نہیں ہو سکتے لہذا ہمیں اختلاف رائے پر اتفاق کر لینا چاہئے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اسلام آج کے دور میں آتا تو خواتین کا ترکے میں حصہ کم نہ ہوتا، گواہی آدھی نہ ہوتی، انہیں گھروں میں بند رہنے کو نہ کہا جاتا، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حکم ہوتا، پسند کی شادی کی حوصلہ افزائی کی جاتی، اکیسویں صدی میں آنے والا اسلام غلامی کو برقرار نہ رکھتا، سنگسار کی سزا نہ ہوتی، چور کے ہاتھ نہ کاٹے جاتے، غیر مذہب کے شہریوں سے جزیہ طلب نہ کیا جاتا۔[1]

ڈی ایزم (Deism):

اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ خدا ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے، لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ اب یہ کائنات خود بخود ہی چل رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس تحریک کا ہدف رسالت اور آخرت کا انکار تھا۔ اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مڈلٹن کے علاوہ مشہور ماہر معاشیات ایڈم سمتھ کی تحریروں سے بھی ملا۔[2] "بنیادی طور پر یہی تین نظریے کے حامل ملحدین عصر حاضر میں موجود ہیں۔

عصر حاضر میں الحاد کی مختلف صورتیں:

مری تھومس اپنی کتاب سیکولر بلیف سسٹم کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> "Five well-known nonreligious philosophical positions are naturalism, materialism, humanism (sometimes referred to as secular humanism), agnosticism, and atheism."[3]

عصر حاضر میں یہ الحاد کی پانچ مشہور صورتیں ہیں جو کہ مختلف ناموں کے ساتھ اپنے نظریے کا پرچار کر رہی ہیں ان میں نیچر لزم جسے عقل پرستی کا نام دیا گیا ہے، میٹیلرزم جسے مادہ پرستی کہا جاتا ہے اور ہیومنزم جسے بظاہر انسانیت کا درس دینے والا نظریہ گردانا جاتا ہے جبکہ اسلام ان سارے نظریات کو اپنے اندر سموتے ہوئے انسان کو اپنے خالق کو پہچانے کا حل پیش کرتا ہے۔ حافظ محمد عبد القیوم نے بھی اپنے مضمون میں اس کی تائید کی ہے۔

---

[1] Mubashir Ali Zaidi, "Islam," Facebook, July 15, 2019 https://www.facebook.com/answer.to.atheists/posts /2205075242856797/

[2] مبشر نذیر، الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشروں پر اثرات، جامعہ کراچی دار التحقیق برائے علم و دانش، کراچی، طبع ۲۰۱۴ء، ص ۹

[3] Murray Thomas, 2014*God in the Classroom: Religion and America's Public Schools* (Landon: Praeger Westport, 2007), 10

> عصر حاضر میں لفظ سیکولرزم اپنے دامن میں ایک نیا پہلو لیے ہوئے ہے، لیکن ان سب معانی و مفاہیم کے باوجود سیکولرزم کسی فلسفے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دراصل دہریت (Atheism) کو قبول کرنے کا نسبتا ایک نرم (Soft) لفظ ہے، وگرنہ عہد روشن خیالی کے مغربی مفکرین نے تو دہریت کو فروغ دیا تھا، مگر معاشرہ میں عدم قبولیت کی وجہ سے متبادل لفظ سیکولرزم تلاش کیا گیا۔[1]

اس عبارت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر یہ نظریہ الحادی فکر پر مبنی تھا، عصر حاضر میں اس کی جدید صورت سیکولرزم کی شکل میں سامنے آئی ہے لہذا الحاد کا اگر مقابلہ کرنا ہے تو پہلے بیشتر اسلامی معاشروں میں قابل قبول نظریہ سیکولرزم کو شکست دینی ہو گی ورنہ براہ راست الحاد کو ختم کرنا آسان نہیں ہو گا۔ زمانہ قدیم میں الحاد بالکل واضح اور اپنی اصل شکل میں تھا جس نے صراحتا خدا کے وجود کا انکار کیا تھا، اور خدا کی عدم موجودگی کے نظریہ کو باطنی لباس میں چھپانے کے بجائے ظاہری طور پر پیش کیا تھا، لیکن آج الحاد مختلف صورتوں میں اپنے نظریات کی ترویج کر رہا ہے جس میں سیکولرزم پیش پیش ہے، مندرجہ بالا حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں الحاد جدید کی نوعیت قدیم دور کے الحاد سے یکسر مختلف ہے اور بہت پیچیدہ ہے جس کا مقابلہ کرنا ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور دکھائی دیتا ہے۔

[1] محمد عبدالقیوم، سیکولرزم ومابعد سیکولررزم، الاضواء، لاہور، ۳۰:۴۴، طبع ۲۰۱۵ء، ص۲۹۶

1.2 فصل ثانی:

اسلام کا تعارف

لغوی معنی:

اسلام کا لفظ س، ل، م، سَلَمَ سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معانی بچنے، محفوظ رہنے، مصالحت اور امن و سلامتی پانے اور فراہم کرنے کے ہیں۔ حدیث نبوی میں اس لغوی معنی کے لحاظ سے ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ.

''بہتر مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں[1]۔''

اسی مادہ کے باب اِفعال سے لفظ 'اسلام' بنا ہے۔ لغت کی رو سے لفظ اسلام چار معانی پر دلالت کرتا ہے۔

ا۔ اسلام کا لغوی معنی خود امن و سکون پانا، دوسرے افراد کو امن و سلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ.

''اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے[2]۔''

۲۔ 'اسلام' کا دوسرا مفہوم ماننا، تسلیم کرنا، جھکنا اور خودسپردگی و اطاعت اختیار کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[3] O

''اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا: (میرے سامنے) گردن جھکا دو، تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا''

۳۔ 'اسلام' میں تیسرا مفہوم صلح و آشتی کا پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، مکتبۂ اکرامیہ، پشاور، طبع ۱۳۷۵ھ، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، ج ۱ : ص ۱۳، رقم: ۱۰

[2] القرآن، المائدۃ، ۵ : ۱۶

[3] القرآن، البقرۃ، ۲ : ۱۳۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً۔[1]

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔"

۴۔ اسی طرح ایک بلند و بالا درخت کو بھی عربی لغت میں السّلم کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا معانی کے لحاظ سے لغوی طور پر اسلام سے مراد امن پانا، سر تسلیم خم کرنا، صلح و آشتی اور بلندی کے ہیں۔

اصطلاحی اور شرعی معنیٰ:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر سچے دل کے ساتھ ایمان لانا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اوامر کو بجالانا اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنا۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا اور طریقۂ عبادت خالص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

اسلام کے معنی انقیاد، اطاعت اور تسلیم کے ہیں اور مسلم وہ ہے جو حکم دینے والے کے امر اور منع کرنے والے کے نہی کو بلا اعتراض تسلیم کرے۔ پس یہ نام خود ہی اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مانا جائے اور اس کے آگے بغیر کسی چوں وچرا اس کے سر جھکا دیا جائے۔ مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ ہر معاملے میں صرف اپنی عقل کی پیروی کرے، نہ یہ ہے کہ احکام الٰہی میں سے جو کچھ اس کے مفادات، اغراض اور خواہشات کے مطابق ہو اس کو مانے اور جو مفادات، اغراض اور خواہشات کے خلاف ہو اس کو رد کر دے۔

اسلام اور ایمان میں فرق:

ایمان اور اسلام کی تعریفات اور ان دونوں کے درمیان فرق میں بہت تفصیلی کلام ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا تعلق باطن سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے، یعنی: ایمان عقائد (مثلاً: اللہ تعالیٰ پر، رسولوں پر، فرشتوں پر، قیامت کے دن وغیرہ پر ایمان لانا یعنی جاننے اور ماننے کا نام ہے) اور قلبی صفات و اعمال (مثلاً: اخلاص، توکل، اللہ تعالیٰ کی محبت، خوف وغیرہ) کا بھی نام ہے، جب کہ اسلام ظاہری اعمال (مثلاً: زبان سے شہادتین کا اقرار، نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور دیگر مالی وبدنی عبادات) کا نام ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے۔

"حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: "الْإِيمَانُ أَنْ

[1] البقرۃ،۲: ۲۰۸

تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ، قَالَ: مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، قَالَ: مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ، ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ سورة لقمان آية ٣٤، ثُمَّ أَدْبَرَ، فَقَالَ: رُدُّوهُ، فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ: هَذَا جِبْرِيلُ، جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ''، قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ: جَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنَ الْإِيمَانِ. "[1]

"ہم سے مسدد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو ابوحیان تیمی نے ابوزرعہ سے خبر دی، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب دیا کہ اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ فرض ادا کرو۔ اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا (البتہ) میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلا سکتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے (دیہاتی لوگ ترقی کرتے کرتے) مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے (یاد رکھو) قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ وہ کب ہو گی (آخر آیت تک) پھر وہ پوچھنے والا پیٹھ پھیر کر جانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے واپس بلا کر لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرائیل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کو ایمان ہی قرار دیا ہے۔"

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، مکتبۂ اکرامیہ، پشاور، طبع ۱۳۷۵ھ، کتاب الایمان، ج ۱: ص ۴۷، رقم: ۵۰

یعنی: ایمان اور اسلام میں حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے، محض اعتباری فرق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تعلیمات لے کر آئے ہیں انہیں دل سے ماننا اور دل میں ان کی تصدیق کرنا ایمان ہے، اسی کا اظہار اور ان پر عمل اسلام ہے۔ بعض اکابر نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ ایمان کا سفر باطن سے شروع ہو کر ظاہری اعمال پر مکمل ہوتا ہے اور اسلام کا سفر ظاہر سے شروع ہو کر باطن پر منتہی ہوتا ہے۔ البتہ ایمان اور اسلام کے حامل ہونے کے اعتبار سے انسان میں فرق ہو سکتا ہے کہ جو شخص ظاہر میں ایمان کا اقرار کرے لیکن دل میں ایمان نہ ہو، تو اسے مؤمن نہیں کہا جائے گا، لیکن ظاہری انقیاد کی وجہ سے اسے مسلم کہا جائے گا۔

اس فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآنِ مجید کی سورہ حجرات میں فرمایا گیا ہے کہ

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ[1]

"خانہ بدوشوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیں کہ: تم ایمان نہیں لائے، تاہم تم کہو: ہم اسلام لے آئے ہیں، ابھی تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔"

سورہ حجرات کی ان آیات میں ظاہری فرماں برداری دکھانے والوں کے لیے اسلام کا لفظ اختیار کیا گیا ہے، اور ایمان کی نفی کر دی گئی ہے کہ دلوں میں ایمان نہیں ہے۔

لیکن یہ فرق ہر جگہ ملحوظ نہیں ہوتا، قرآنِ مجید میں ہی بعض انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے اور اس امتِ محمدیہ کے لیے امتِ مسلمہ اور مسلمانوں کے لیے مسلمین کا لفظ استعمال ہوا ہے، ان جگہوں پر اسلام مع ایمان مراد ہے، اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بارے میں تو کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (نعوذ باللہ من ذالک)، اسی طرح امتِ مسلمہ جس کی تعریف و توصیف کی جا رہی ہو، اور جس کے بارے میں وقت کے نبی دعا کر رہے ہوں، اور ابراہیم علیہ السلام جس امت کو مسلمین کا نام دے رہے ہوں ان کے لیے اسلام کے ساتھ حقیقی ایمان ہونا بھی ضروری ہے، لہٰذا کبھی مؤمن کہہ کر مسلم یا مسلم کہہ کر مؤمن بھی مراد لیا جاتا ہے۔

بہر حال جو مؤمن ہو وہ مسلم بھی ضرور ہو گا، لیکن ہر مسلم (ظاہر میں اسلام کا اظہار کرنے والے) کا مؤمن ہونا لازمی نہیں، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ظاہری طور پر زبان سے تو کلمہ اور نماز پڑھتا ہو، لیکن دل میں کفریہ عقائد رکھتا ہو۔

---

[1] القرآن، الحجرات: ۱۴

اسلام کے بنیادی ارکان:

"حدثنا عبيد الله بن موسى، قال: أخبرنا حنظلة بن أبي سفيان، عن عكرمة بن خالد، عن ابن عمر، رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأنّ محمّدًا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان".

"عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا، (۳) زکات ادا کرنا، (۴) حج کرنا اور (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔"

اسلام کے پانچ ارکان ہیں:

۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

۲) نماز قائم کرنا۔

۳) زکات ادا کرنا۔

۴) صاحبِ استطاعت شخص کا) بیت اللہ کا حج کرنا۔

۵) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

باب دوم

الحاد اور اسلام میں نظریۂ تخلیق کائنات اور وجود باری تعالیٰ

2.1 فصل اول

الحاد کا نظریۂ تخلیق کائنات

ملحدین کے ہاں تخلیق کائنات کے متعلق دو نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ اس کائنات کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی کوئی انتہا۔ یہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ کائنات ازل سے نہیں ہے بلکہ تخلیق ہوئی ہے اور ایک مقررہ مدت کے بعد یہ کائنات ختم ہو جائے گی۔ تخلیق کائنات کے بارے میں کئی تھیوریز پیش کی گئی جس میں سب سے مقبول بگ بینگ تھیوری ہے۔ جس کے مطابق یہ کائنات ایک بہت بڑے دھماکے سے وجود میں آئی۔ اور یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ اور معینہ مدت کے بعد یہ ختم ہو جائے گی۔ اسکی مزید تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔
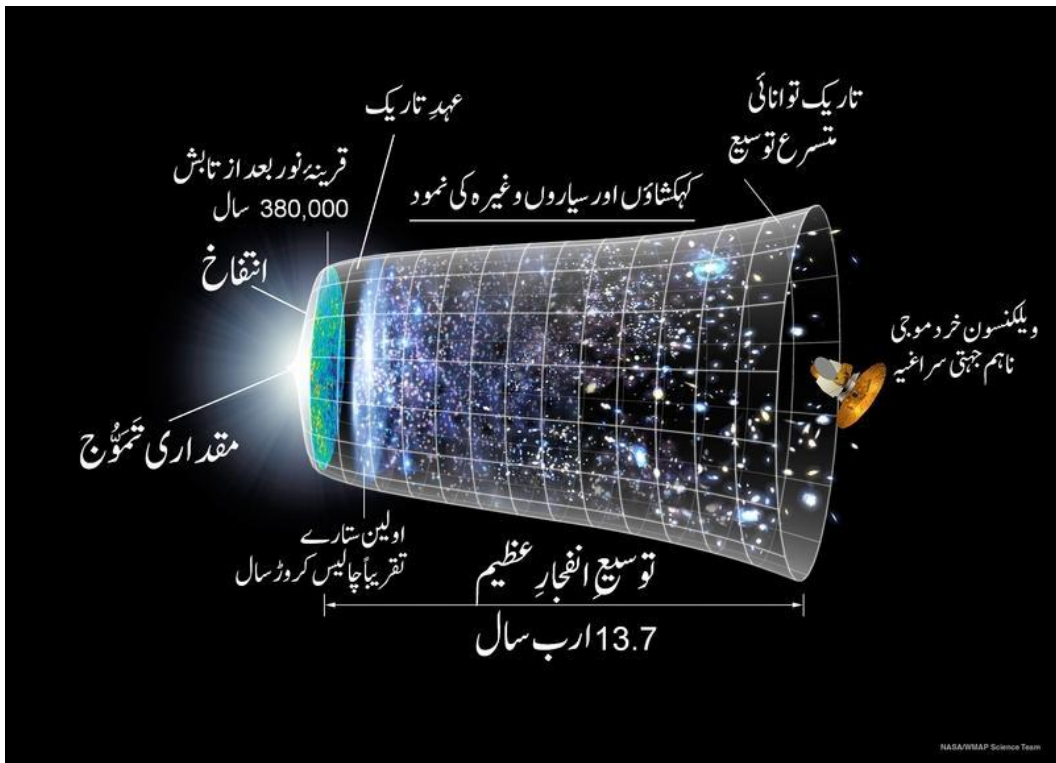
بگ بینگ تھیوری:

انیسویں صدی میں سائنسی ترقی جس مقام پر پہنچی اس نے کم و بیش یہ بات طے کر دی کہ خدا کا تصور ماضی کا ایک افسانہ تھا جو توہم پرست انسانوں نے اپنی کم علمی کی بنا پر گھڑ لیا تھا۔ یہ کائنات اور جو کچھ اس میں نظر آتا ہے وہ محض بخت و اتفاق کی کارفرمائی ہے جس کے پیچھے کوئی شعور اور ارادہ موجود نہیں۔[1]

[1] https://ur.m.wikipedia.org/wiki/بگ بینگ

بگ بینگ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی 'بڑے دھماکے' کے ہیں۔ بگ بینگ دراصل وہ دھماکہ ہے جس سے ہماری یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ اس نظریے کے مطابق کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے تمام مادہ ایک سوئی کے ہزارویں حصّے کے برابر نہایت خفیف جگہ میں قید تھا۔ اگر مادے میں بہت زیادہ توانائی ہو، دنیا کے کسی بھی ذریعے سے حاصل کردہ توانائی سے زیادہ، تو کششِ ثقل یعنی گریویٹی چیزوں کو اپنی جانب کھینچنے کے بجائے ایک دوسرے سے دور دھکیلنے والی قوّت بن جاتی ہے۔

عظیم دھماکے (Big Bang) سے رُوپذیر ہونے والے عملِ اِنشقاق (پھٹنے کے عمل) کے آغاز کے ساتھ ہی ایک سیکنڈ کے سوویں حصے (hundredth part) میں وہ 'اِکائیت' پھیل کر اِبتدائی آگ کا گولا (primordial fireball) بن گئی اور دھماکے کے فوری بعد اُس کا درجۂ حرارت ایک کھرب سے ایک کھرب ۸۰ ارب سینٹی گریڈ کے درمیان جا پہنچا۔ تاہم عظیم دھماکے سے ایک منٹ بعد ہی کائنات کا درجۂ حرارت تیزی سے گرتے ہوئے دس گنا کم ہو کر ۱۰ ارب سے ۱۸ ارب سینٹی گریڈ کے درمیان آن پہنچا۔ یہ سورج کے مرکز کے موجودہ درجۂ حرارت سے تقریباً ایک ہزار گنا زیادہ حرارت تھی۔ اُس وقت کائنات زیادہ تر فوٹان، اِلیکٹران، نیوٹریناس اور اُس کے مخالف ذرّات کے ساتھ ساتھ کسی حد تک پروٹان اور نیوٹران پر مشتمل تھی۔[1]

چنانچہ سائنس کے مطابق یہی بگ بینگ کا وہ نکتہ ءِ آغاز تھا، جب تمام مادہ ایک دھماکے جیسی صورتحال کے بعد انتہائی تیزی سے ایک دوسرے سے دور ہونے لگا اور خلاء میں پھیل گیا۔ اس وقت اس کی رفتار اس قدر زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ کائنات تیزی سے پھیلنے لگی۔

آج اس 'بگ بینگ'، یعنی ہماری کائنات کے نکتہ ءِ آغاز کو ۱۳.۸ ارب سال ہو چکے ہیں۔ آپ میں سے اکثر لوگ یہ سوچیں گے کہ بھلا کائنات کی عمر کوئی کیسے بتا سکتا ہے؟ تو اِس کا جواب ہمیں "ہبل خلائی دوربین" نے دیا ہے۔ اس دوربین کی مدد سے لی گئی تصاویر میں ہمیں جو سب سے پرانی کہکشاں ملتی ہے، وہ زمین سے ۱۳.۴ ارب نوری سال دور واقع ہے۔

'نوری سال' دراصل وقت کا پیمانہ نہیں ہے بلکہ فاصلے کا پیمانہ ہے اور ایک نوری سال کا فاصلہ تقریباً ۱۰ کھرب کلومیٹر کے برابر ہے۔ یہ فاصلہ روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جہاں ایک نوری سال ہی ۱۰ کھرب کلومیٹر کے برابر ہے تو ۱۳.۸ ارب نوری سال کتنے کلومیٹر کے برابر ہوں گے. اگر ہم پیمائش کر سکیں کہ کسی دور دراز ستارے یا کہکشاں سے روشنی ہم تک آنے میں کتنے سال لگے ہیں، تو ہم اس طرح قدیم سے قدیم تر کہکشاؤں کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ اب تک ہم نے جس قدیم ترین کہکشاں کا مشاہدہ کیا ہے، وہ چوں کہ ۱۳.۴ ارب نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کی عمر اس کے آس پاس ہی بنتی ہے۔[2]

چلیے کائنات کے وجود میں آنے کے بعد کے حالات پر واپس آتے ہیں۔

---

[1] https://www.minhajbooks.com/urdu/book/Islam-and-modern-science/read/txt/btid/22/
[2] https://www.dawnnews.tv/news/1060354

۸.۱۳ ارب سال پہلے نہ یہ سورج تھا، نہ یہ ستارے، نہ یہ کہکشاں، نہ یہ نظارے، بلکہ صرف دھماکے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے ہائیڈروجن گیس کے بادل تھے۔ خلاء میں موجود ان بادلوں کے جن حصوں میں ہائیڈروجن اور ہیلییئم کی مقدار زیادہ تھی، ان حصّوں میں گیسز سکڑنے لگیں اور سکڑتے سکڑتے کافی گرم اجسام کی شکل اختیار کر گئیں جنہیں ہم "ستارے" کہتے ہیں۔ مزید بر آں ان ستاروں کے آس پاس جہاں گیسز کی مقدار کم تھی، وہاں بھی گیسز سکڑتی گئیں اور گرم (ستاروں سے کم گرم) اجسام بنے جو ستاروں سے چھوٹے تھے، اور کسی اپنے سے بڑے نزدیکی ستارے کی بہت زیادہ کشش کی وجہ سے اس (ستارے) کے گرد مدار میں چکر لگانے لگے۔ ان اجسام کو ہم 'سیارے' کہتے ہیں۔[۱]

کئی ستارے آپس کی کشش کی وجہ سے جھرمٹ کی شکل اختیار کر گئے اور اس طرح کہکشائیں وجود میں آئیں۔ ہمارا سورج اور زمین جس کہکشاں میں ہے اس کا نام "ملکی وے" ہے۔ اس کا نام ملکی وے اس لیے رکھا گیا ہے کیوں کہ اس کے بہت سے ستارے سفید نظر آتے ہیں، اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے "دودھ کی نہر یا راستہ" ہو۔ "ملکی وے" کا اردو ترجمہ ہے "دودھیا راستہ۔"

کائنات کی تخلیق کا یہ عمل ملحدین کے نزدیک بغیر کسی خالق یا بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود ہو گیا ہے۔ یعنی کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے۔ یہ کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء محظ اتفاق سے ہی پیدا ہو گئے ہے۔

---

۱ https://www.dawnnews.tv/news/1060354

2.2فصل ثانی

تخلیقِ کائنات کا اسلامی نظریہ

کائنات کی تعریف سادہ الفاظ میں تو یوں کی جاسکتی ہے کہ وہ سب کچھ جو موجود ہے وہی کائنات ہے۔ اور بنیادی طور پر دو ہی چیزیں ہیں جو موجود کے دائرے میں آتی ہیں۔ ایک مادہ اور دوسری توانائی، لہذا تمام مادے اور توانائی کو ملا کر مشترکہ طور پر کائنات کہا جاتا ہے۔ گو عموماً کائنات سے مراد اجرام فلکی اور ان کے مابین موجود فضائیں اور ان کے مربوط نظام لی جاتی ہے جو قدرت کی طرف سے بنائے گئے ہیں، مگر در حقیقت کائنات میں وہ سب کچھ ہی شامل ہے جو موجود ہے۔ بعض اوقات اس لفظ کا استعمال انسانی حیات اور اس سے متعلقہ چیزوں کے لیے بھی کیا جاتا ہے اور یہاں بھی اس سے مراد ہر موجود شے کی ہوتی ہے، یہاں تک کہ انسانی تجربات اور خود انسان بھی اس دائرے میں آجاتے ہیں۔ علم الکائنات کی تعریف کے مطابق کائنات، ذرات (particles) اور توانائی کی تمام موجودہ اقسام اور زمان و مکاں (time and space) کا وہ مجموعہ جس میں تمام عوامل و واقعات رونما ہوتے ہیں۔

۱۹۲۹ء میں امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے فلکیات کی تاریخ میں ایک عظیم دریافت کی۔ جس وقت وہ ایک بڑی دوربین کے ذریعے ستاروں کا مشاہدہ کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ان سے نکلنے والی روشنی، طیف (Spectrum) کے سرخ سرے میں منتقل ہو رہی ہے اور جو ستارہ زمین سے جتنا دُور ہے، یہ منتقلی اتنی ہی نمایاں ہے۔ سائنس کی دنیا میں یہ ایک تہلکہ خیز دریافت تھی، کیونکہ طبیعیات کے مسلمہ اصولوں کے مطابق اگر کسی روشنی کا طیف (Spectrum) نقطہ مشاہدہ (پوائنٹ آف آبزرویشن) کی جانب سفر کر رہا ہو تو وہ بنفشی رنگ میں تبدیل ہو جائے گا، جبکہ روشنی کا یہ طیف نقطۂ مشاہدہ سے دور ہو رہا ہو تو اس کی روشنی سرخ ہو جائے گی۔ ہبل نے اپنے مشاہدات میں دیکھا کہ روشنی سرخ ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ستارے ہم سے مسلسل دُور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس سے پہلے ہبل نے ایک اور اہم دریافت کی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ستارے اور کہکشائیں نہ صرف ہم سے بلکہ ایک دوسرے سے بھی دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس مشاہدے سے کہ جہاں ہر شے دوسری شے سے دُور ہو رہی ہے، صرف یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کائنات مستقل پھیل رہی ہے۔

اس بات کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لیے آپ پھولتے غبارے کی سطح کا تصور کیجئے۔ بالکل اسی طرح جیسے پھولتے ہوئے غبارے کی سطح کے نقطے (پوائنٹس) ایک دوسرے سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں، بالکل اسی طرح پھیلتی ہوئی کائنات میں خلا میں موجود اجسام (ستارے، سیارے وغیرہ) ایک دوسرے سے دُور ہو رہے ہیں۔

نظری طور پر تو یہ بات اس سے پہلے ہی دریافت کی جا چکی تھی۔ چنانچہ معروف سائنس داں البرٹ آئن سٹائن نے یہ بات نظری طور پر ثابت کی تھی کہ کائنات ساکن (Static) نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس نے اپنے نظریئے کا پرچار نہیں کیا، کیونکہ اس وقت ساکن

کائنات کا نمونہ (Static Universe Model) وسیع پیمانے پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ بعد میں اس بات کو ہبل کے مشاہدات نے ثابت کر دیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

لیکن کائنات کی تخلیق کے سلسلے میں کائنات کے پھیلاؤ کی کیا حیثیت ہے؟ کائنات کے پھیلاؤ کو ہم اگر پہلے کے وقت میں دیکھیں تو یہ ثابت ہو گا کہ کائنات ایک واحد نقطے (سنگل پوائنٹ) سے وجود میں آئی ہے۔ تخمینہ جات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس ”واحد نقطے“ (جس میں تمام کائنات کا مادہ سمایا ہوا ہو گا) کا حجم صفر اور کثافت لامتناہی (Infinite) ہو گی۔ چنانچہ ایک دھماکے کے بعد اس کائنات کا آغاز ”صفر حجم“ (زیرو والیم) سے ہوا ہو گا۔ یہ عظیم دھماکا جس سے کائنات کا آغاز ہوا، ایک نظریئے کے طور پر ”بگ بینگ“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

”صفر حجم“ ایک نظری وضاحت ہے جس کے ذریعے سائنس کسی شے کے ”عدم وجود“ کو ثابت کرتی ہے جو انسانی فہم سے ماورا ہے، لہٰذا ایک نقطے کو صفر حجم تسلیم کر کے ہی بات واضح کی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ”صفر حجم والے ایک نقطے“ کا مطلب اس کا ”عدم وجود“ ہے۔ گویا کائنات ”عدم“ سے ”وجود“ میں آئی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ”تخلیق“ کی گئی ہے۔

بگ بینگ نظریہ بیان کرتا ہے کہ ابتدا میں تمام اجسام ایک ٹکڑا تھے اور پھر یہ علیحدہ علیحدہ ہوئے۔

یہ بات اِنتہائی قابلِ توجہ ہے کہ سائنس نے جو دریافتیں بیسویں صدی اور بالخصوص اُس کی آخری چند دہائیوں میں حاصل کی ہیں قرآنِ مجید اُنہیں آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کر چکا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے قرآنی اُصولوں میں سے ایک بنیادی اُصول یہ ہے کہ اِبتدائے خلق کے وقت کائنات کا تمام بنیادی مواد ایک اِکائی کی صورت میں موجود تھا، جسے بعد ازاں پارہ پارہ کرتے ہوئے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اِس سے کائنات میں توسیع کا عمل شروع ہوا جو ہنوز مسلسل جاری و ساری ہے۔

قرآنِ مجید اِس حقیقت کو اِن اَلفاظ میں بیان کرتا ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا.[1]

اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اِکائی (singularity) کی شکل میں جڑے ہوئے تھے، پس ہم نے اُنہیں پھاڑ کر جدا کر دیا۔

اِس آیتِ کریمہ میں دو اَلفاظ ”رَتْق“ اور ”فَتْق“ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ ’رَتْق‘ کے معنی کسی شے کو ہم جنس مواد پیدا کرنے کے لئے ملانے اور باندھنے کے ہیں۔ ’فَتْق‘ متضاد ہے ’رَتْق‘ کا، جس کا معنی توڑنے، جدا کرنے اور الگ الگ کرنے کا عمل ہے۔ قرآنِ

---

[1] الانبیاء، ۲۱: ۳۰

مجید نے آج سے ۱۴ صدیاں قبل تخلیقِ کائنات کی یہ حقیقت عرب کے ایک جاہل معاشرے میں بیان کر دی تھی اور لوگوں کو یہ دعوتِ فکر دی تھی کہ وہ اِس حقیقت کے بارے میں سوچیں۔ صدیوں کی تحقیق کے بعد بیسویں صدی کے وسط میں جدید علمِ تخلیقیات (cosmology)، علمِ فلکیات (astronomy) اور علمِ فلکی طبیعیات (astrophysics) کے ماہرین نے بالکل وُہی نظریہ منظرِ عام پر پیش کیا ہے کہ کائنات کی تخلیق ایک 'صفر درجہ جسامت کی اِکائیت' سے ہوئی۔ 'عظیم دھماکے کا نظریہ' ((Big Bang Theory) اسی کی معقول تشریح و توضیح ہے۔

قرآن مجید میں تخلیق کائنات کے متعلق متعدد آیات ملتی ہیں جو کہ درج زیل ہیں:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ [1]

حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پرودگار اللہ ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اس نے عرش پر اس طرح استوافر مایا کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ [2]

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کیے ہیں، اس پیداوار کے بھی جو زمین اگاتی ہے، اور خود ان انسانوں کے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جنھیں، لوگ (ابھی) جانتے تک نہیں ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ [3]

اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنادیئے تاکہ ایسا (نہ) ہو کہ کہیں (زمین اپنے مدار میں) حرکت کرتے ہوئے انھیں لے کر کانپنے لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے (درے) بنائے تاکہ لوگ (مختلف منزلوں تک پہنچنے کے لیے) راہ پا سکیں۔

زمین کی بالائی فضا کی جانب اللہ رب العزت نے اہل زمین کے تحفظ کے لیے جو سات تہیں بنائی ہیں ان کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَّبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ [4]

---

[1] یونس:۰۳

[2] سورۃ یٰس:۳۶

[3] سورۃ الانبیاء : ۳۱

[4] سورۃ النباء:۱۲

اور خلائی کائنات میں بھی غور کرو اہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط (طبقات) بنائے۔

طویل ترین بارشوں کے نتیجے میں زمین کو قابل زندگی بنانے کے سلسلے میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۞[1]

اور ہم ایک مقررہ مقدار میں (عرصہ دراز تک) بادلوں سے پانی برساتے رہے، پھر جب زمین ٹھنڈی ہو گئی تو ہم نے اس پانی کو زمین کی نشیبی جگہوں) میں ٹھہرادیا (جس سے ابتدائی سمندر وجود میں آئے) اور بے شک ہم اُسے (بخارات بنا کر اڑادینے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

چاند کو سونپے گئے فطری طریق تقویم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا:

وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۞[2]

اُس (چاند) کے لیے (کم وبیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو اور اللہ نے یہ (سب کچھ) درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے۔ وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت، وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں علم رکھنے والوں کے لیے تفصیل سے واضح فرماتا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ[3] .

اور ہم نے چاند کی منازل طے کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ (اپنی پہلی حالت کو) پلٹ کر کھجور کی) پرانی بوسیدہ ٹہنی جیسا ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۞[4]

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا، اس نے آسمان اور زمین سے کہا: "وجود میں آجاؤ، خود تم چاہو، یا نہ چاہو" دونوں نے کہا: ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح۔

یوں تو ہر جاندار کی تخلیق میں پانی ایک بنیادی عنصر کے طور پر موجود ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں بطور خاص پانی کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد رب العالمین ہے:

---

[1] سورۃ المؤمنون:۱۸

[2] سورۃ یونس:۰۵

[3] سورۃ یٰس:۳۹

[4] سورۃ فصلت ۱۱

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا[1]

اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝[2]

اور اُس سے پہلے ہم نے جنوں کو شدید جلا دینے والی آگ سے پیدا کیا، جس میں دھواں نہیں تھا۔

وجود باری تعالیٰ پر کائناتی دلائل:

اللہ کے موجود ہونے میں کوئی عاقل اور سمجھدار شک نہیں کر سکتا کیونکہ عقل کا یہی مطالبہ ہے کہ ہم کوئی چیز جب دیکھتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی ہے۔ مثلاً جو مکان نظر آتا ہے، کسی معمار کا بنایا ہوا ہے، جو گھڑی چل رہی ہے کسی کارخانے میں بنی ہوئی ہے اور اس کارخانے کو کوئی چلا رہا ہے، عقل جب اس پہلو پر سوچتی ہے کہ کوئی مکان خود بخود نہیں بنتا، کوئی گھڑی خود بخود نہیں بنتی، کوئی کارخانہ خود بخود نہیں چلتا تو قدرت کا یہ عظیم الشان کائنات جو ایک نامعلوم مدت سے اب تک ایک خاص نظام کے تحت چل رہا ہے، خود بخود کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور کیسے چل سکتا ہے؟ ضرور کوئی نہ کوئی اس کا پیدا کرنے والا، چلانے والا اور نگرانی کرنے والا موجود ہے۔
کیونکہ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک اس میں تمام سیارے ایک خاص نظام کے تحت اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝[3]

اور یہ (سیارے) ایک خاص مدار میں تیر رہے ہیں۔

زمین ایک خاص وقت میں سورج کے گرد اپنا چکر پورا کرتی ہے آج تک اس میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں پڑا، ستارے اپنے وقت پر ابھر آتے ہیں اور اپنے وقت پر نظروں سے غائب ہوتے ہیں۔ دن اور رات اپنے اپنے وقت پر آتے اور جاتے ہیں اور کبھی اپنی رفتار نہیں بھولتے۔ سورج اپنے مدار میں چکر لگا رہا ہے اور چاند اپنے مدار میں، نہ سورج اپنے مدار سے ہٹتا ہے اور نہ چاند سورج کی طرف کھینچ کر جاتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝[1]

---

[1] سورۃ الفرقان: ۵۴

[2] سورۃ الحجر: ۲۷

[3] سورہ یس ۴۰

نہ سورج کا مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔

قرآن پاک کے مطابق کائنات کا خالق، مالک اور چلانے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے کائنات کو اللہ تعالیٰ نے ایسا تحلیق فرمایا ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی نقص یا کمی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ۝ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ۝ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝[2]

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی، جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے تم رحمان کی تحقیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ تمھاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔

غرض یہ کائنات اسی نظم وضبط کے ساتھ ایک نامعلوم مدت سے مسلسل چل رہی ہے، کیا عقل یہ مانتی ہے کہ اتنا بڑا انظام اتنی مدت سے مسلسل بغیر کسی چلانے والے کے چل سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ عقل یہ بات نہیں مانتی اسی لیے خود یہ کائنات دن، رات، چاند، سورج، ستارے اور زمین و آسمان کا یہ نظم وضبط اللہ تعالی کے وجود کا واضح ثبوت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝[3]

بے شک زمین و آسمان کی پیدائش میں اور دن رات کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے اللہ کے وجود کی نشانیاں ہیں۔

نیز اس بات کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اسکی پیدائش کی طرف متوجہ کیا ہے کہ سوچو اور اگر یہ بات سمجھ میں آگئی تو اس پر یقین کر لو۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ؕ۝[4]

---

[1] سورہ یس ٤٠

[2] سورۃ الملک: ١-٤

[3] سورہ آل عمران ١٩٠

[4] سورہ طور ٣٥-٣٦

کیایہ انسان بغیر کسی (پیدا پیدا کرنے والے کے) پیدا کیے گئے ہیں، یاانسان خود اپنا خالق ہے۔یاانھوں نے آسمان اور زمین پیدا کیاہے !
نہیں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔

باب سوم

الحاد اور اسلام کا نظریۂ تخلیق انسان

کائنات کی تخلیق اور پھر اس دنیامیں زندگی کے آغاز کے متعلق دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ سارا نظام، انسان، نباتات حیوانات ان سب کا خالق اللہ سبحانہ ہو و تعالی ہے۔ دوسرے نظریہ کے مطابق یہ سب کچھ بغیر کسی خالق کے اتفاقی یا حادثاتی طور پر خود بخود وجود میں آیا ہے۔ اس خیال کا حامل دوسرا گروہ مادہ پرستوں کا ہے جو اسے خالص ارتقائی شکل کا نتیجہ قرار دیتا ہے یہ لوگ تخلیق کائنات کے بارے میں اس قسم کے نظریات رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، ازلی ہے، اس کی کوئی ابتدا نہیں ہر لمحہ اس میں ارتقائی اور تخلیقی عمل بھی ہو رہا ہے۔ اس ارتقائی اور تخلیقی عمل کی صلاحیت خود مادہ میں موجود ہے بعض کے نزدیک اس کائنات کی ابتدا تو یقینی ہے مگر ان کے خیال میں یہ خود بخود کسی حادثے یا اتفاق کے طور پر وجود میں آگئی ہے اور یہ سب محض اتفاقات کی بنیاد پر چل رہا ہے۔

یہ فلسفہ مادہ پرستی کہلاتا ہے۔ مادہ پرست یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ اس کائنات کی کوئی غرض یا غایت نہیں ہے کوئی مقصد نہیں ہے یہ کائنات کے وجود کا تصور ہے جو مادہ پرستوں میں پایا جاتا ہے۔ زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ یعنی یہ نامیاتی اجسام پودے، جانور اور انسان یہ سب کیسے وجود پزیر ہوئے پہلے پہل تو بغیر کسی دلیل کے ان سوالات کے جواب میں یہ کہنا کافی سمجھا جاتا تھا کہ یہ سب اتفاق سے وجود میں آگئے ہیں لیکن سائنسی علوم کی آگہی کے بعد انیسیویں صدی میں، فلسفیوں کی مدد کے لئے ڈارون آگے بڑھا اور اس مادہ پرست نظریے کو لے کر سائنسی لبادے میں پیش کیا۔

3.1 فصل اول

الحاد کا نظریۂ تخلیق انسان

نظریۂ ارتقاء کا تعارف:

نظریہ ارتقاء کے مطابق ساری جاندار اشیاء ایک اکیلے خلیے سے وجود میں آئیں پہلا خلیہ کیسے وجود میں آیا؟ اس معمے کا نظریۂ ارتقاء کے حامیوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے سوائے اس کے کہ غیر جاندار اجزا نے اتفاقا ایک خلیہ پیدا کر دیا۔ خلیے کے وجود میں آنے سے پانی میں انتہائی چھوٹے جاندار اجسام پھیلنا شروع ہو گئے اسی دور میں پانی میں مچھلیاں نمودار ہوئیں مچھلیاں عمل ارتقا کے زریعے بحری حیوانات میں تبدیل ہو گئیں جانور جو پہلے صرف پانی تک محدود تھے، اب خوارک کی کمی یا محفوظ جائے پناہ کی خاطر پانی سے خشکی کی طرف منتقل ہونے لگے پھر زمین پر آ کے رینگنے والی مخلوق میں تبدیل ہو گئے ان کی ابتدا چھوٹے جانوروں سے ہوئی۔ ان کے پچھلے پر دو ٹانگیں اور دم نمودار ہو گئی زمین پر رینگتے ہوئے جاندار خوراک کی تلاش میں درختوں حصے پر پر چڑھنے لگے یہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگاتے پھرتے تھے اور یونہی چھلانگیں لگاتے لگاتے ان کے پر نکل آئے۔ کچھ رینگنے والوں کے جب پاوں نکلے تو انھوں نے مکھیاں پکڑنے کی کوشش میں دوڑتے ہوئے اپنے اگلے بازو لہرانے شروع کیے، آہستہ آہستہ ان کے اگلے بازو پروں میں تبدیل ہو گئے یوں تمام جانوروں کی نسلیں ایک مشترکہ جداامجد سے بذریعہ عمل ارتقا وجود میں آئیں۔[۱]

انسانی ارتقاء کا منظر نامہ انیسویں صدی سے قبل مندرجہ بالا خیات و نظریات ایک گم نام نظریے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۸۵۹ء میں چارلس ڈارون نے ایک (فطری انتخاب کے ذریعے انواع کا ظہور) نامی کتاب لکھ کر اس نظریے کو باضابطہ طور پر پیش کیا۔ ڈروان کے مطابق انسان اور بندر کا جد امجد ایک ہی ہے، گویا انسان بندر کا چچیرا بھائی ہے۔ ڈارون کے ہم نواؤں نے موجود انسان کا ارتقائی رشتہ چمپینزی جیسے بندروں سے ملایا ہے کچھ انتہاپسندوں نے تو انسان کو بندر کی اولاد تک قرار دے دیا ہے ان کے مطابق اس منزل تک پہنچے پہنچتے انسان کو چالیس لاکھ سال لگے پھر وہ آہستہ آہستہ شعور کی منزیں طے کرنے لگا، لباس کا استعمال سیکھا، پتھر کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا مزید لاکھوں سالوں بعد آگ کا استعمال اور غاروں میں رہنا شروع کیا۔[۲]

---

[۱] احمد رضا، نظریۂ ارتقاء اور اسلامی تعلیمات، مقالہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ص، ا

[2] https://ur.m.wikipedia.org/wiki/تخلیق انسانی

نظریہ ارتقاء کی تفصیل:

نظریۂ ارتقاء اور جس طرح اس کا دفاع کیا جاتا ہے، اسے پیش کرنے والا ایک انگریز غیر پیشہ ور نیچری یا فطرت پرست چارلس را برٹ ڈارون تھا۔ ڈارون نے حیاتیات کی رسمی تعلیم کبھی بھی حاصل نہیں کی تھی۔ اسے نیچر یا فطرت اور جاندار چیزوں کے موضوع میں صرف شوقیہ حد تک دلچسپی تھی۔ اس کی یہ دلچسپی بڑھی تو اس نے رضاکارانہ طور پر ایک مہم میں شامل ہو کر H.M.S.Beagle نامی بحری جہاز کے ذریعے ۱۸۳۲ء میں انگلستان سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور پانچ برس کے عرصے میں دنیا کے مختلف خطے دیکھ ڈالے۔ ڈارون مختلف جانداروں کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ بالخصوص جزائر Galapagos میں نظر آنے والی سنہری چڑیوں نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کے خیال میں ان کی چونچوں کا مختلف ہونا ان کے وطن یا جائے پیدائش کے مختلف ہونے کی وجہ سے تھا جس کے مطابق یہ مختلف شکلوں میں ڈھل گئی تھیں۔ اس خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ زندگی کا آغاز اور جانداروں کی ابتدا اسی تصور "ماحول و جگہ سے مطابقت پذیری" میں پوشیدہ ہے۔ ڈارون کے خیال میں مختلف جانداروں کو اللہ نے علیحدہ علیحدہ تخلیق نہیں کیا تھا بلکہ ان سب کا ایک ہی مشترکہ مورث اعلیٰ یا جدامجد تھا اور یہ بعد میں قدرتی حالات کے نتیجے میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تھے۔ ڈارون کے اس قیاس یا بے دلیل دعوے کی بنیاد کسی سائنسی دریافت یا تجربے پر مبنی نہ تھی۔ تاہم کچھ وقت گزرنے کے بعد اس نے اسے ایک جھوٹے دعوے پر منحصر نظریے کی شکل دے دی تھی جس کے لئے اسے اپنے عہد کے مشہور مادہ پرست حیاتیات دانوں کی حمایت اور حوصلہ افزائی حاصل تھی۔ اس تصور کے مطابق افراد نے اپنے وطن اور جائے پیدائش کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا اور پھر بہتر سے بہتر طور پر اپنی خوبیاں بعد میں آنے والی نسلوں کو منتقل کر دی تھیں۔ یہ سودمند اوصاف وقت کے ساتھ ساتھ جمع ہوتے گئے اور انہوں نے ایک فرد کو اس کے آباؤاجداد سے بالکل مختلف شکل میں ڈھال دیا تھا۔ (ان سودمند خوبیوں کے آغاز کے بارے میں اس وقت کچھ معلوم نہ تھا)۔ ڈارون کی رائے میں اس میکانکی عمل کا نہایت ترقی یافتہ نتیجہ انسانی شکل میں سامنے آیا۔ ڈارون نے اس سارے عمل کو "ارتقاء بذریعہ فطری انتخاب" کا نام دیا۔ اسے خیال گزرا کہ اس نے جانداروں کی ابتداء کا راز معلوم کر لیا ہے۔ اور یہ کہ ایک جاندار کی ابتدائے آفرینش کسی دوسرے جاندار سے ہوئی۔ اس نے ان خیالات کا اظہار ۱۸۵۹ء میں اپنی (The Origin of Species by means of Natural Selection جانداروں کی ابتداء بذریعہ فطری انتخاب میں کیا تھا۔[1]

۱۸۵۹ء میں چارلس ڈارون نے نظریہ ارتقاء پیش کیا۔ اس نظریے کے مطابق حیاتی اجسام اپنی بقا کے لیے خود کو ماحول کے مطابق تبدیل کر لیتے ہیں۔ ڈارون نے اپنے نظریے میں انسان کی بات نہیں کی تھی مگر بہر حال اُس کا نظریہ ہر جاندار شے پہ لاگو ہوتا ہے بشمول بنی نوع انسان کے۔ ڈارون کے نزدیک تمام جاندار اپنی ہیت کو تبدیل کرتے رہتے ہیں اپنے اطراف کے ماحول میں زندہ رہنے کے لیے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ بعض پانی کے جانور کروڑوں سال پہلے چرندے تھے مگر کسی وجہ سے اُن کو اپنی زندگی طویل

---

[1] ہارون یحیی، نظریہ ارتقاء، ایک فریب، اسلامک ریسرچ سینٹر پاکستان، لاہور، طبع ۲۰۰۲، ص، ۲۲،۲۱

عرصہ تک پانی میں گزارنی پڑی تو ان کے پاؤں غائب ہو گئے اور وہ مچھلی کی طرح کی شکل اختیار کر گئے۔ اسی طرح مچھلیوں کو جب زمین پر زندگی گزارنی پڑی تو ان کے پاؤں نکل آئے اور ان کی شکل پہلے مگرمچھ اور پھر بعد میں دیگر جانداروں کی سی ہو گئی۔ یعنی اپنی بقاء کے لیے قدرت نے انکی زندگی تبدیل کر دی۔ اسی طرح انسان کے بارے میں نظریہ ارتقا کے حامی کہتے ہیں کہ انسان بن مانس کی نسل سے تھا جو اپنے ماحول کی وجہ سے تبدیل ہو کر ویسا ہو گیا جیسا کہ آج ہے۔ چمپینزی جیسے چوپائے سے دو پیروں پر انسان اس لیے کھڑا ہو گیا کہ وہ اُس زمانے میں اور اُس وقت کے ماحول کے مطابق اُس کی بقاء کے لیے ضروری تھا۔ نظریہ ارتقا کے حامی ابھی بھی اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کے حیات کی ابتدا کیسے ہوئی؟ جب بگ بینگ سے کائنات وجود میں آئی تو اُس میں جاندار مادّہ تو کوئی تھا نہیں۔ تو پھر زندگی کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ کچھ کہتے ہیں کہ کسی کیمیائی عمل سے ایسا ہوا۔ تو اگر کیمیا گری سے زندگی وجود میں آسکتی تو سائنس اتنی ترقی کرنے کا بعد علم کیمیا سے کوئی معمولی نوعیت کا جاندار یا کیڑا پیدا کر کے کیوں نہیں دکھا دیتی؟ ڈارون کی مشہور زمانہ نظریہ ارتقا وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں زندگی پہلے سے ہی موجود تھی۔ تفصیلی بحث میں جائے بغیر ہم انسانوں کے ارتقا کی طرف آتے ہیں۔ یعنی بن مانس سے مانس بننے کا سفر۔ موجودہ دور کے انسان کو سائنس ہوموسیپینز (Homo Sapiens) کہتی ہے۔ اس سے پہلے کی نسل کو ہومو ایریکٹس (Homo Erectus) کہتے ہیں۔ علم الانسان یا بشریات کے ماہر یعنی اینتھروپولوجسٹ (Anthropologists) اپنی تمام تر کوشش کے بعد بھی ہوموسیپینز اور ہومو ایریکٹس کے درمیان کوئی جوڑ پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آج تک دنیا بھر میں زمین کی کھدائی سے کوئی ایک بھی ہڈی ایسی نہیں ملی جو ہوموسیپینز اور ہومو ایرکٹس کے درمیان کے دور کو ثابت کرتی ہو۔ اس بات کو ہم مِسنگ لنکِ (Missing Link) کا نام دیتے ہیں۔ اِرتقاء کے مطابق ایک نوع کو دوسری نوع میں تبدیل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا لمحہ آجائے جس میں اُن کی باہمی نسل اگے نہ بڑھ سکے۔ اگر بندر سے انسان کو الگ ہونا تھا تو تاریخ میں کوئی ایسا وقت ضرور آیا ہو گا جب انسان نے اپنے جد امجد کو الوداع کہا ہو گا۔ وہ وقت کب آیا؟ کتنی خاموشی سے آیا؟ کسی کو آج تک خبر بھی نہ ہوئی؟ گمان ہے کہ بن مانس سے انسان کے الگ ہونے کا وقت آج سے ۵۰ یا ۷۰ لاکھ سال پہلے آیا ہو گا۔ اس دور سے لے کر ۱۵ لاکھ سال پہلے تک کئی قسم کے ادوار انسانی ارتقا کی کہانی سناتے ہیں اور پھر ہومو ایریکٹس (Homo Erectus) کا دور آیا جو ۲ سے ۳ لاکھ سال پہلے بڑے پرُاسرار انداز میں غائب ہو گیا۔ اور پھر اچانک ہی ۱.۵ لاکھ سال پہلے کہیں سے ہوموسیپینز (Homo Sapiens) کا وجود آگیا۔ ہومو ایریکٹس کے بارے میں قیاس ہے کے وہ تقریباً انسان تھے ہومو ایریکٹس اور ہوموسیپینز کے درمیان صرف ۵۰ ہزار سال کا وقفہ ہے لیکن دونوں ں کا خاص اَختلاف یہ ہے کے دونوں کے دماغ کے حجم میں بہت بڑا فرق ہے (تقریباً ڈیڑھ گنا)۔ اس کے علاوہ دونوں بلکے جتنے بھی اعلیٰ حیوان (Primates) موجود ہیں ان کے تولیدی عمل میں بھی بہت ہی خاص اور نمایاں فرق پایا جاتا ہے جو صرف اور صرف انسانوں کا خاصہ ہے۔ پھر ہوموسیپینز یا انسان کے جسم کے بالوں کو کیا ہوا؟ کہاں گئے؟ کیسے جھڑ گئے؟ صرف دو وجہ ہو سکتی ہیں جسم کے بال گر جانے کی۔ انسان کی ارتقاء کافی زمانے تک پانی میں ہوئی یا پھر وہ عرصہ دراز تک کسی بہت ہی گرم جگہ رہتا رہا۔ لمبے عرصے تک پانی میں رہنے کی تو وجہ کچھ کچھ سمجھ آتی ہے کیونکہ انسان کا بچہ پیدائشی طور پر پانی میں سانس روک لینے اور کسی حد تک تیرنے کی قدرتی صلاحیت رکھتا

ہے۔ لیکن یہ شکم مادر میں پروان چڑھنے کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ: انسانی کھال کے نیچے چربی کی تہ کا ہونا۔ بال کا نہ ہونا۔ نرخرے اور زبان کی بناوٹ۔ نمکین پسینے کے غدود جلد کا نرم ہونا اس بات کی غمازی کرتے ہیں کے انسان کا پانی سے کوئی رشتہ کبھی ضرور رہا ہے۔ لیکن کب اور کہاں یہ دور گزرا اس کے بارے میں مکمل سکوت ہے۔ کیا اسی لیے ہوموایریکٹس اور ہوموسیپینز کے درمیان کا جوڑ غائب ہے کیونکہ وہ کہیں پانی میں دبا ہوا ہے (واللہ عالم)۔ بہت سے جانور زمانہ قدیم سے اوزار استعمال کرتے چلے آرہے ہیں جیسا کہ مصری گدھ کا پتھر پھینک کہ شتر مرغ کے انڈے توڑنا۔ بحراوقیانوس کا اُودبلاؤ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ بعض ہدہد کانٹوں سے درختوں میں موجود کیڑوں کو کرید کرید کر کھاتے ہیں۔ کنگارُو کا اتنا ہنرمند ہونا بھی سب کے علم میں ہے مگر وہ پھر بھی اوزار استعمال نہیں کرتا۔ ایسی دیگر کئی مثالیں موجود ہیں بہت سے جانورں کے متعلق مگر انہوں نے اوزار کے استعمال سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ لاکھوں سال سے ایک ہی طرح اپنے اپنے اوزار استعمال کر رہے ہیں اور بس۔ ارتقاپسند خود یہ کہتے ہیں کے ارتقا کا عمل انتہائی سست رفتار ہوتا ہے کیونکہ قدرت جو جاندار کے لیے بہتر ہوتا ہے وہ بڑے آہستہ انداز میں پسند کرتی ہے اور پھر اُس تبدیلی کو نسل درنسل آگے بڑھاتی ہے۔ ایک لاکھ سال میں کچھ نیا بن جانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شے ءاچانک ہی ہو گئی ہو۔ تو پھر ہوموسیپینز اور ہوموایریکٹس کے درمیان کے ایک لاکھ سے بھی کم عرصے میں انسان کا دماغ بن جانا، بال گر جانا، تولید کا عمل بدل جانا، انسان کا بولنا شروع کر دینا (جبکہ وہ انتہائی خطرناک ہوتا ہے کھاتے وقت) اور کھانا چبا کے کھانا شروع کر دینا کیسے ہو گیا؟ اس کے علاوہ ارتقاپسند یہ بھی مانتے ہیں کے قدرت وہی کچھ دیتی ہے جس کی اُس ماحول میں ضرورت ہو تو پھر ہم کو قدرت نے (اللہ نے نہیں) اِتنا اعلیٰ دماغ کیوں دیا جو آج اتنی ترقی کے بعد بھی ہمارے استعمال سے کہیں زیادہ کارکردگی کا حامل ہے۔ اتنا زبردست دماغ بغیر کسی ضرورت کے دے دیا؟ دنیا کی ہر شے ءمیں ایک تناسب ہے۔ ہرن اور چیتے کی مثال لے لیں۔ چیتے کو خاص طور پر ہرن کے شکار کے لیے بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی ہرن کو چیتے سے بچنے کی بھرپور صلاحیت دی گئی ہے۔ موت وزیست کا کھیل یہ دونوں ازل سے کھیلتے چلے آرہے ہیں مگر پھر بھی دونوں کی نسلیں پروان چڑھتی رہی۔ ہرن کو اگرچہ مرنا ہوتا ہے مگر اس کی پیدائش کا تناسب چیتے سے کہیں زیادہ ہے۔[1]

ڈارون یہ بات خوب جانتا تھا کہ اس کا یہ نظریہ بیشمار مسائل سے دوچار ہو گا اس نے اس کا اعتراف اپنی کتاب کے جس باب میں کیا اس کا عنوان ہے " نظریے کی مشکلات"۔ ان مشکلات کا تعلق بنیادی طور پر رکازیا فوسل ریکارڈ سے تھا یعنی جانداروں کے ایسے پیچیدہ اعضاء جنہیں مماثلت کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا تھا (مثلاً آنکھ) اور جانداروں کی جبلتیں۔ ڈارون بڑا پر امید تھا کہ نئی دریافتوں کے ذریعے ان مشکلات پر قابو پایا جاسکے گا۔ مگر یہ بات بھی اسے کچھ جانداروں کے لئے بہت ہی نہایت غیر موزوں تشریحات پیش کرنے سے نہ روک سکی۔[۲]

---

[1] https://ur.m.wikipedia.org/wiki/تحلیق_انسانی

[۲] ہارون یحیی، نظریہ ارتقاء، ایک فریب، اسلامک ریسرچ سینٹر پاکستان، لاہور، طبع ۲۰۰۲، ص، ۲۲

3.2فصل ثانی

اسلام کا نظریۂ تخلیق انسان

جس طرح عالمِ آفاق کے جلوے اِجمالاً عالمِ اَنفس میں کار فرماہیں، اسی طرح نظامِ ربوبیت کے آفاقی مظاہر پوری آب و تاب کے ساتھ حیاتِ انسانی کے اندر جلوہ فرماہیں۔ انسان کے " احسن تقویم " کی شان کے ساتھ منصۂ خلق پر جلوہ گر ہونے سے پہلے اس کی زندگی ایک ارتقائی دَور سے گزری ہے۔ یہی اُس کے کیمیائی اِرتقاء(Chemical evolution)کا دَور ہے، جس میں باری تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کا مطالعہ بجائے خود ایک دلچسپ اور نہایت اہم موضوع ہے، یہ حقائق آج صدیوں کے بعد سائنس کو معلوم ہو رہے ہیں، جب کہ قرآنِ مجید انہیں چودہ سو سال پہلے بیان کر چکا ہے۔

کیمیائی ارتقاء کے مراحل:

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا کیمیائی اِرتقاء کم و بیش سات مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا جو درج ذیل ہیں:

۱. ترابInorganic matter

۲. ماءWater

۳. طینClay

۴. طین لازبAdsorbale clay

۵. صلصال من حماء مسنونOld physically and chemically altered mud

۶. صلصال کالفخارDried and highly purified clay

۷. سلالہ من طینExtract purified clay

قرآنِ مجید مذکورہ بالا سات مرحلوں کا ذکر مختلف مقامات پر یوں کرتا ہے:

۱۔تراب(Inorganic matter)

اللہ رب العزت نے اِنسان کے اوّلین جوہر کو غیر نامی مادّے سے تخلیق کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ[1]

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی (یعنی غیر نامی مادّے) سے بنایا۔

اس آیت کریمہ میں آگے حیاتیاتی ارتقاء کے بعض مراحل کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مثلاً (ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا)

۲۔ماء(Water)

یہاں اللہ رب العزت نے اپنی شانِ ربُّ العالمین کے ذکر کے ساتھ ہی دلیل کے طور پر انسانی زندگی کے اِرتقاء کا ذکر کر دیا ہے، جس سے واضح طور پر یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن مجید باری تعالیٰ کے رب المعالمین ہونے کو انسانی زندگی کے نظام راتقاء کے ذریعے سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے، یوں تو ہر جاندار کی تخلیق میں پانی ایک بنیادی عنصر کے طور پر موجود ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی تخلیق میں بطورِ خاص پانی کا ذکر کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا[2]

اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔

اس آیت کریمہ میں تخلیقِ انسانی کے مرحلے کے ذِکر کے بعد باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا بیان ہے:

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا[3]

اور تمہارا رب قدرت والا ہے۔

گویا یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ تخلیقِ انسانی کا یہ سلسلہ اللہ ربُّ العزت کے نظام ربوبیت کا مظہر ہے۔

انسان کے علاوہ کرۂ ارض پر بسنے والی لاکھوں کروڑوں مخلوقات کی اوّلین تخلیق میں بھی پانی کی وہی اہمیت ہے جتنی انسان کی کیمیائی تخلیق میں۔اس سلسلے میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ[4]

---

[1] المومن:۶۷

[2] الفرقان:۵۴

[3] ایضا

[4] الانبیاء:۳۰

اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (ان حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے ؟۔

۳۔ طین (Clay)

اِنسان کی کیمیائی تخلیق میں "تراب" اور "ماء" بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن دونوں عناصر کے مِکس ہو جانے پر "طین" کو وُجود ملا۔ "طین" کا ذِکر اللہ ربّ العزت نے قرآنِ حکیم میں یوں کیا ہے:

هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی کے گارے سے پیدا فرمایا۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مترجمین قرآن نے بالعموم "تُرَاب" اور "طِیْن" دونوں کا معنی مٹی کیا ہے، جس سے ایک مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ دو الگ مرحلے ہیں یا ایک ہی مرحلے کے دو مختلف نام؟ اس لیے ہم نے دونوں کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لیے "طِین" کا معنی "مٹی کا گارا" کیا ہے۔ تُراب اصل میں خشک مٹی کو کہتے ہیں، امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "التراب الارض نفسها۔" تراب سے مراد فی نفسہ زمین ہے۔ جب کہ "طین" اس مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندھی ہو، جیسا کہ مذکور ہے الطین : التراب و الماء المختلط[1]۔ مٹی اور پانی باہم ملے ہوئے ہوں تو اُسے "طین" کہتے ہیں۔

اسی طرح کہا گیا ہے: الطین : التراب الذی یجبل بالماء۔ طین سے مراد وہ مٹی ہے جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو۔ اسی حالت کو گارا کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ترتیب واضح ہو جاتی ہے: مٹی.......... پانی.......... گارا

۴۔ طین لازب (Adsorbale clay)

"طین" کے بعد "طین لازب" کا مرحلہ آیا، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یوں بیان کیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَٰهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ

بے شک ہم نے اُنہیں چپکتے گارے سے بنایا۔

" طین لازب " طین کی اگلی شکل ہے، جب گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہو جاتا ہے جب گارے سے پانی کی سیلانیت زائل ہو جائے تو اُسے طین لازب کہتے ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جب گارا قدرے سخت ہو کر چپکنے لگتا ہے۔

---

[1] المفردات: ۳۱۲

۵۔صلصال من حماء مسنون(Old physically and chemically altered mud)

مٹی اور پانی سے مل کر تشکیل پانے والا گارا جب خشک ہونے لگا تو اُس میں بو پیدا ہو گئی۔ اس بو دار مادّے کو اللہ ربّ العزت نے "صلصال من حماء مسنون" کا نام دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ مِن صَلۡصَٰلٖ مِّنۡ حَمَإٖ مَّسۡنُونٖ[1]

اور بیشک ہم نے اِنسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی ہے۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق انسانی کے کیمیائی اِرتقاء میں یہ مرحلہ "طین لازب" کے بعد آتا ہے، یہاں "صلصال" (بجتی مٹی) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کی اصل "صلل" ہے۔ امام راغب اصفہانی "صلصال" کا معنی یوں بیان کرتے ہیں: تردّد الصوت من الشیء الیابس، مسمّی الطین الجاف صلصالاً۔[2] "خشک چیز سے پیدا ہونے والی آواز کا تردّد یعنی کھنکناہٹ۔ اسی لیے خشک مٹی کو "صلصال" کہتے ہیں کیونکہ یہ بجتی اور آواز دیتی ہے۔"

لغت عرب میں "صلصال" کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے: "الصلصال: الطین الیابس الذی یصل من یبسہ أی یصوت[3]۔" "صلصال سے مراد وہ خشک مٹی ہے جو اپنی خشکی کی وجہ سے بجتی ہے، یعنی آواز دیتی ہے۔"

صلصال کی حالت گارے کے خشک ہونے کے بعد ہی ممکن ہے پہلے نہیں، کیونکہ عام خشک مٹی، جسے تُراب کہا گیا ہے وہ اپنے اندر بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لفظِ صلصال اِس اعتبار سے تراب سے مختلف مرحلے کی نشان دہی کر رہا ہے، لہٰذا صلصال کا مرحلہ طین لازب" یعنی چپکنے والے گارے کے بعد آیا۔ جب طین لازب (چپکنے والا گارا) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خشک ہوتا گیا تو اُس خشکی سے اس میں بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ یہ تو طبیعی تبدیلی (Physical change) تھی مگر اس کے علاوہ اس پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کیمیائی تبدیلیاں بھی ناگزیر تھیں، جن میں اُس مٹی کے کیمیائی خواص میں بھی تغیر آیا۔ اِن دونوں چیزوں کی تصدیق اِسی آیت کے اگلے الفاظ مِّنۡ حَمَإٖ مَّسۡنُونٖ سے ہو جاتی ہے۔

---

[1] الحجر:۲۶

[2] المفردات:۲۷۴

[3] المنجد:۴۴۶

"حَمَا" حرارت اور بخار کو کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ تپنے، کھولنے اور جلنے وغیرہ کے معنوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ارشاداتِ ربانی ہے کہ:

تَصۡلَىٰ نَارًا حَامِيَةً[1]

دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔

يَوۡمَ يُحۡمَىٰ عَلَيۡهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ[2]

جس دن اُس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی۔

الغرض "حَمَا" میں اس سیاہ گارے کا ذکر ہے جس کی سیاہی، تپش اور حرارت کے باعث وجود میں آئی ہو، گویا یہ لفظ جلنے اور سڑنے کے مرحلے کی نشان دہی کر رہا ہے۔

"مسنون" سے مراد متغیر اور بدبودار ہے۔ یہ "سن" سے مشتق ہے جس کے معنی صاف کرنے، چمکانے اور صیقل کرنے کے بھی ہیں، مگر یہاں اِس سے مراد متغیر ہو جانا ہے۔ جس کے نتیجے میں کسی شے میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اِحماء (جلانے اور سڑانے) کا لازمی نتیجہ ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے:

فَٱنظُرۡ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمۡ يَتَسَنَّهۡ[3]

پس (اَب) تو اپنے کھانے پینے (کی چیزوں) کو دیکھ، (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں۔

جب گارے "طین لازب" پر طویل زمانہ گزرا اور اُس نے جلنے سڑنے کے مرحلے عبور کر لیے تو اس کا رنگ بھی متغیر ہو کر سیاہ ہو گیا اور جلنے کے اَثر سے اُس میں بو بھی پیدا ہو گئی۔ اِسی کیفیت کا ذکر صَلۡصَٰلٖ مِّنۡ حَمَإٖ مَّسۡنُونٖ ۲۶ میں کیا جا رہا ہے۔

۶۔ صلصال کالفخار (Dried and highly purified clay)

اِنسان کے کیمیائی ارتقا میں چھٹا مرحلہ صلصال کالفخار ہے، جس کی نسبت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] الغاشیہ: ۴

[2] التوبہ: ۳۵

[3] البقرہ: ۲۵۹

خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ مِن صَلۡصَٰلٖ كَٱلۡفَخَّارِ [1]

اُس نے اِنسان کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔

جب تپانے اور جلانے کا عمل مکمل ہوا تو گارا پک کر خشک ہو گیا، اُس کیفیت کو "اَلْفَخَّار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تشبیہ میں دو اشارے ہیں:

(الف) ٹھیکرے کی طرح پک کر خشک ہو جانا۔

(ب) کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ حالت میں آ جانا۔

لفظ "فخار" کا مادّہ فخر ہے، جس کے معنی مباہات اور اظہارِ فضیلت کے ہیں۔ یہ فَاخر سے مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی بہت فخر کرنے والا۔ "فخار" عام طور پر گھڑے کو بھی کہتے ہیں اور مترجمین و مفسرین نے بالعموم یہاں یہی معنی مراد لیے ہیں۔ ٹھیکرا اور گھڑا چونکہ اچھی طرح پک چکا ہوتا ہے اور خوب بجتا اور آوازیں دیتا ہے، گویا اپنی آواز اور گونج سے اپنے پکنے، خشک اور پختہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے اس لیے اُسے فخر کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی اپنی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرتی ہے۔ امام راغب اصفہانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"یعبر عن کل نفیس بالفاخر، یقال ثوب فاخرۃ وناقۃ فخور [2]۔ ہر نفیس اور عمدہ چیز کو فاخر کہتے ہیں۔ اس لیے نفیس کپڑے کو 'ثوبِ 'فاخر اور عمدہ اونٹنی کو 'ناقہ فخور' کہا جاتا ہے۔

اور فَخَّار اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے جو کثرتِ نفاست اور نہایت عمدگی پر دلالت کرتا ہے، صاحبُ المحیط بیان کرتے ہیں: "الفاخِر: اِسم فاعلٍ و الجید من کل شیئ [3]۔ الفاخر اسم فاعل ہے اور ہر شے کا عمدہ (حصہ) ہے۔

۷۔ سلالہ من طین (Extract purified clay)

اِنسان کی کیمیائی تخلیق کے دوران پیش آنے والے آخری مرحلے کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ مِن سُلَٰلَةٖ مِّن طِينٖ [1]

---

[1] (الرحمٰن: ۱۴)

[2] المفردات: ۳۷۴

[3] القاموس المحیط، ۲:۱۱۲

اور بیشک ہم نے اِنسان کی تخلیق (کی اِبتدا) مٹی (کے کیمیائی اجزا) کے خلاصہ سے فرمائی۔

اِس آیت کریمہ میں گارے کے اس مصفّٰی اور خالص نچوڑ کی طرف اشارہ ہے، جس میں اصل جوہر کو چن لیا جاتا ہے، یہاں اِنسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء "طین لازب" کے تزکیہ و تصفیہ (Process of Purification) کا بیان ہے۔ سُلٰلَۃ سَلَّ یَسُلُّ سے مشتق ہے، جس کے معنی میں نکالنا، چننا اور میل کچیل سے اچھی طرح صاف کرنا شامل ہے۔ یعنی مٹی میں سے چنا ہوا وہ جوہر جسے اچھی طرح میلے پن سے پاک صاف کر دیا گیا ہو۔

[1] المومنون:۱۲

باب چہارم

الحاد اور اسلام میں خدا کا تصور

4.1 فصل اول

الحاد میں خدا کا تصور

ملحد اس کو کہتے ہیں جو خدا کے وجود کا انکار کرے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تشکیک کا شکار ہیں جو نہ ہی خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی اقرار کرتے ہیں۔ اس کیفیت کو Agnosticism کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کا انکار اس بنا پر کرتے ہیں کہ وہ نظر نہیں آتا لیکن وہ انکار بھی اس لیے نہیں کرسکتے کہ یہ کائنات بغیر کسی کے بنائے کیسے بن سکتی ہے۔ ملحدوں کی ایک قسم ان کی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق تو ضرور ہے لیکن وہ تخلیقِ کائنات کے بعد اس کائنات سے بے تعلق ہو کر کسی اور شغل میں کہیں مصروف ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس بنا پر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کائنات میں نظم تو ہے لیکن انسانی معاشرہ میں انصاف نہیں پایا جاتا۔ ظالم کو فوراً سزا نہیں ملتی اور نہ ہی نیکی پر فوری جزا ملتی ہے۔ دنیا کی عدالتیں بھی مکمل انصاف دینے سے قاصر ہوتی ہیں۔ بے قصور بچے اور معصوم لوگ حوادث کا شکار ہو کر زندگی بھر اذیت بھری زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے الحاد کو Deism کہا جاتا ہے۔ تیسری قسم کا الحاد یہ ہے کہ وہ بظاہر خدا کا انکار کرتے ہیں لیکن وہ خالق کے بجائے مادرِ فطرت Mother Nature کو تسلیم کرتے ہیں گویا کہ کائنات خود اپنی خالق ہے۔ کچھ لوگ خالق کی جگہ Supreme Intelligence یا Supreme Consciousness کہنا چاہتے ہیں۔ لفظ خدا یا God سے یہ اس لیے اعراض برتتے ہیں کہ وہ ایسی ہستی کے قائل ہونا نہیں چاہتے جس کے آگے وہ خود کو جوابدہ سمجھیں اور وہ غیر ذمہ دار رہ کر زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں۔

4.2 فصل ثانی

اسلام میں خدا کا تصور

تاریخی لحاظ سے عربوں میں بت پرستی کا عمومی رواج ضرور قائم رہا، تاہم اس بت پرستی کے باوجود ان میں خدا کا واضح تصور موجود تھا۔ چنانچہ وہ بتوں کو اللہ سے قربت کے حصول کی غرض سے پرستش کرتے تھے۔ اسلام کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہوا جب عربوں میں تصور خدا سے ہٹ کر بھی مختلف قسم کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ تصور خدا کے حوالے ان نظریات کی تصحیح کی جائے اور ساتھ ساتھ ان روحانی بیماریوں سے بھی عرب معاشرہ کو پاک کیا جائے۔ اس صورتحال کے پیش نظر اسلام کے فلسفہ توحید نے نہ صرف خدا کے حوالے سے انسانوں کے منتشر نظریات کی تصحیح کی بلکہ اس کے علاوہ کئی اور فکری خرابیوں کو بھی درست کر دیا۔

تصور خدا کے حوالے سے قرآن اور دوسری الہامی کتب کا فلسفہ ایک ہی ہے۔ تاہم دوسری الہامی کتب میں تحریف کی وجہ سے انسانوں پر خدا کا وحدانی تصور ابہام میں چلا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن پاک میں واضح طور پر آیا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝[1]

اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں (اُن کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو) اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اُتری اور جو (کتابیں) تم پر اُتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

اور تورات کے سفر تکوین میں بھی یہی بات واضح طور اس طرح منقول ہے (سنو اے اسرائیل۔ ہمارا رب صرف ایک ہی خدا ہے)۔

اسلام نے خدا کے بارے میں ایک مکمل تصویر دیا۔ جس میں کسی قسم کا بھی کوئی سقم نہیں ہے ۹۲۔ اسلامی نقطہ نظر سے اللہ ساری کائنات کا خالق ہے اور اس تخلیقی عمل میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اب اگر خدا کے حوالے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس میں شرک اور مشابہت کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

(لا الہ الا اللہ) کا مفہوم ہی انسانوں کو ایک یگانہ مالک حقیقی کے لیے ایک ایک مضبوط توحیدی بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے متعدد خداوں کے نظریات کی مکمل طور پر تردید ہو جاتی ہے۔ اور یہی فلسفہ اللہ رب العزت کی ہستی کو انسانی وجود سے بالاتر مقام پر فائز کرتا

---

[1] العنکبوت، ۴۶

ہے۔اس طرح (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کے اندر اسی یگانہ ہستی کی صفت رحمانیت اور رحیمیت جیسی حقیقی صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کے تمام اوصاف قائم لذاتہ اور کسی بھی قسم کی تغییر و تبدل سے پاک ہیں۔ علامہ شہرستانی اپنی کتاب (الملل والنحل) میں لکھتے ہیں

(اعلم أن جماعة كبيرة من السلف كانو يثبتون الله تعالى صفات الزلية من العلم والقدرة والعزة والعظمة والارادة والمشيئة والقول والكلام والرضا والسخط والحياة والإرادة والسمع والبصرة الكلام والجلال والاكرام والجودوالانعام والعزة والعظمة)۔

یعنی سلف میں سے ایک بڑی جماعت اللہ تبارک وتعالی کے صفات مثلاً علم وقدر، عزت وعظمت ارادہ، کلام، رضا، زندگی، سننا، بولنا، جلال واکرام، سخاوت اور عظمت کو ازلی قرار دیتے ہیں۔

اسلام میں انسان کا خدا سے رشتہ خالق اور مخلوق کا ہے اور خدا کا رسول سے رابطے کا ذریعہ براہراست ایک کامل وحی ہے۔اور وحی کا یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد مکمل ہوا۔ اسلامی نقطہ نظر سے خدا نے کسی زمانے میں جڈدی روپ نہیں دھارااور نہ ہی الوہیت میں کسی کو شریک بنایا چنانچہ قرآن نے بھرپور انداز میں اس تجسیدی نظریے کی تردید کرتے ہوئے مسیح کی بشریت اور رسالت کو واضح کیا ہے۔

ابن سینا کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کائنات پر اپنی ذات، مرتبہ اور معلولیت کے اعتبار سے مقدم ہے۔کائنات کا اللہ تبارک وتعالی سے متاخر ہونا اس وجہ سے محال ہے کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالی نے کسی زمانے میں اس کائنات کو بنانے کا فیصلہ کیا، یعنی پہلے اللہ کا ارادہ نہیں تھا۔ پھر بنانے کا ارادہ کیا، حالانکہ اللہ تبارک وتعالی کے ارادے میں کسی قسم کا تغیر محال ہے۔

گویا تصور خدا کے حوالے سے اسلام کا نظریہ خالص توحید پر مشتمل ہے جس میں تعدد اور شراکت کا کسی قسم کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر اللہ کو لفظ واحد کے ساتھ موصوف لایا گیا ہے۔اور ہر جگہ اس کے استعمال میں حصر اور تاکید کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

اَنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ[1]

وہی اکیلا معبود ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے

---

[1] ابراھیم، ۵۲

إِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ [1]

تم سب کا معبود خدائے واحد ہے۔

اسی طرح ارشاد باری ہے۔

وَمَا مِنْ إِلَـٰهٍ إِلَّا ٱللَّهُ ٱلْوَٰحِدُ ٱلْقَهَّارُ [2]

اور خدائے یکتا اور غالب کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایک اور مقام پر عقیدہ ثنویت کی نفی کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

وَقَالَ ٱللَّهُ لَا تَتَّخِذُوٓا۟ إِلَـٰهَيْنِ ٱثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ

اور اللہ نے فرمایا کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک ہے۔

ان قسم کی تمام آیات کریمہ کے اندر اللہ کے بارے میں توحیدی نقطہ نظر واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

نتائج:

۱. تصور خدا اور اس حوالے سے انسان کا نقطہ نظر ایک قدیم فکری مسئلہ رہا ہے۔ جس پر مختلف زمانوں میں عقل کے گھوڑے دوڑائے گئے۔ اسی طرح اس تصور کے اندر مختلف زمانوں میں ماحول، اجتماعی اور سیاسی حالات کے مطابق تبدیلیاں رونما ہوئی۔ چنانچہ اب بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے آنے کے ساتھ یہ تصور مطلق توحید پر آکر ختم ہوا اور بعض حضرات کے نزدیک اس تصور میں اب بھی ارتقائی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

۲. تاریخی اعتبار سے یہ مسئلہ تعددیت ثانویت، ثالثیت، تفرید اور تفضیل کے مراحل سے گزر کر الہامی مذاہب کے آنے پر توحید پر پہنچ کر حل ہوا۔

۳. مختلف ترقی یافتہ تہذیبوں میں کسی نہ کسی طرح تصور خدا کے ہوتے ہوئے یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ ہر مرتبہ یہ تصور توحید پر مشتمل اپنی حقیقت کی طرف ابراہیم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی کی روشنی میں ہی لوٹ کر

---

[1] سورہ انبیاء، ۱۰۸

[2] سورہ ص، ۶۵

مکمل ہوا۔ البتہ انبیاء کے واضح تعلیمات کے بوجود ہر دفعہ اس تصور میں بعض سیاسی اور معاشرتی حالات کی وجہ سے تغیر رونما ہوتا رہا۔

۴. اس بحث کے نتیجے میں یہ بات بھی واضح طور پر سامنے آئی کہ توحید ہی ایسی چیز ہے جو کسی بھی قوم کے عروج اور زوال میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ چنانچہ بابلی معاشرہ خصوصا اختانون کے دور میں اہل مصر میں خدا کے وحدانی تصور نے ان اقوام کو تہذیبی لحاظ سے عروج پر پہنچا دیا دوسری طرف مجوسی اور فارسی معاشروں میں جوں جوں یہ تصور توحید سے ہٹ کر مانویت، تفرید اور تفضیل کی طرف مائل ہو گیا تو تاریخ میں وہ قومیں تہذیبی لحاظ سے بھی بہت پیچھے رہ گے۔

۵. اگرچہ اسلام سے پہلے الہامی تعلیمات نے کسی حد تک خدا کے تصور کو واضح کر کے انسان اور خدا کا رشتہ واضح کر دیا تھا تاہم اسلام نے اس توحیدی تصور کو بہت ہی واضح اور مکمل انداز میں پیش کر دیا۔ جس سے عقیدہ توحید ہر طرح سے واضح ہو گیا۔

باب پنجم

اسلام پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب

ایتھیئزم (Atheism) کی بنیاد تین ستونوں پر استوار ہے، نظریہ ارتقاء، نظریہ تخلیق کائنات، اور نظریہ خدا. ان تینوں میں سے یہ سوال کہ خدا کو کس نے تخلیق کیا_ عصر حاضر میں بہت سے ذہنوں کو الجھائے رکھا ہے۔ اور اگر اس ستون کو گرا دیا جائے تو دہریت کی بنیاد کافی حد کمزور ہو جاتی ہے۔ اس سوال کا جواب کہ خدا کو کس نے تخلیق کیا یہ ہے کہ یہ سوال الاجکل یعنی غیر منطقی ہے کہ خدا کو بنانے والا کوئی ہے، کیوں؟، اس کو ایک مثال سے سمجھیئے، جو شخص یہ سوال کرے اس سے یہ کہا جائے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ؛

ایسا دائرہ بنایا جائے تو چکور بھی ہو؟

کیا چاند پر انسان بغیر آکسیجن کے رہ سکتا ہے؟

پانی میں انسان بغیر آلات کے رہے؟

کیا لڑکا کسی بچے کو جن سکتا ہے؟

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ذمین کی محوری گردش رک کر بھی دن اور رات بدلتے رہے؟

ان سارے سوالوں کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ منطق کے خلاف ہے کہ کوئی لڑکا کسی بچے کو جنے یا یہ کہ ایسا دائرہ بنایا جائے جو چکور بھی ہو وغیرہ۔ ایسا ہونا ناممکن ہے بلکہ علم الکلام کی اصطلاح میں محالات میں سے ہیں۔

دوسری دلیل:

دیکھیئے زمان و مکان کب وجود میں آئی۔ سائنس کی اصطلاح میں جب بگ بینگ کا دھماکہ ہوا۔ زمانہ: صبح، دوپہر، شام، مہینہ، سال آسان الفاظ میں ماضی، حال اور مستقبل کو کہتے ہیں۔ جبکہ مکان: اس پوری کائنات کو۔

زندگی اور موت کا مدار وقت پر ہے یا یوں کہا جائے کہ وقت کی محتاج ہے تو غلط نا ہو گا۔ کائنات کیلئے وقت ایسے ہے جیسے بلب کیلئے بجلی۔ جسطرح بلب بجلی کے بغیر روشن نہیں ہو سکتا ایسے ہی کائنات نہیں چل سکتی۔ بالفرض اگر وقت کو اس کائنات سے نکال لیا جائے تو اسکے نتیجہ میں یہ ہو گا کہ کائنات رک جائے گی بلکل ایسے ہی اگر کسی ویڈیو یا آڈیو بیچ میں ٹھہرا دی جائے تو وہ نہ آگے بڑھتی ہے اور نا ہی پیچھے۔ ایسے ہی یہ کائنات بھی رک جائے گی جو چیز جہاں ہے اور جس حالت میں ہے وہی رک جائے گی۔ اب جو چیز نہیں ہے وہ کبھی وجود میں نہیں آئے گی اور جو چیز موجود ہے وہ کبھی ختم نا ہو گی یعنی عدم سے وجود اور وجود سے عدم کا انحصار وقت پر ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بگ بینگ کے دھماکے کے ساتھ زمان و مکان موجود ہوئے۔ اور زندگی اور موت کا انحصار بھی وقت پر ہے تو یہ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا یا یہ کہ بگ بینگ کا دھماکہ کروایا اسے کسی نے پیدا کیا ہو کیونکہ عدم سے وجود کا انحصار وقت پر ہے اور اس وقت ٹائم کا کوئی تصور ہی نہیں تھا تو یہ ناممکن ہے کہ خدا کو کسی نے تخلیق کیا ہو۔

دیگر دلائل:

فلسفے کی بنیادی شاخ میٹافزکس ہے۔ میٹافزکس کی تین اور شاخیں ہوتی ہیں۔ آنٹولوجی، کوسمولوجی اور ٹیلیولوجی۔ کوسمولوجی حقائق کی ترتیب سے بحث کرتی ہے۔یعنی مختلف حقیقتوں کی ترتیب کیاہے اور کس کی کیاعلت ہے۔

خدا کے وجود ہے کے لئے کاسمولوجیکل آرگیومنٹ ایک بہت پرانی دلیل تھی جو کہ پرانے یونانی فلسفہ میں بھی پائی جاتی تھی۔ یہ دلیل ایک شکل میں نہیں رہی۔ مختلف ادوار میں اس کو غلط بھی ثابت کیا جاتا رہا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ دلیل آج بھی ٹھوس ہے۔ دلیل کچھ یوں ہے۔ ہر وجود کی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ چونکہ یہ کائنات ہے اور کائنات خود اپنے آپ کو وجود نہیں دے سکتی اس لئے لازمی طور پر کوئی نہ کوئی ہے جس نے اس کائنات کو وجود بخشا۔ یہ بہت ہی سادہ سی بات ہے۔اس پر یہ اعتراضات ہوسکتے ہیں

- اگر ہر وجود کی کوئی نہ کوئی علت ہے تو پھر خدا کی کیاعلت ہے ؟
- دوسرااعتراض یہ ہے کیاضروری ہے ہر وجود کی کوئی علت ہو؟

ان دونوں اعتراضات کے جوابات کچھ یوں ہیں۔

کائنات کے بارے میں ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ یہ روبہ تنزل ہے۔ چیزیں پرانی ہو جاتی ہیں۔ قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ کائنات کا کوئی نکتہ آغاز ہو گا جہاں سے یہ دھیرے دھیرے ڈھل کر اس حالت میں پہونچی ہے۔ اس مستقل تنزلی کی بنیاد پر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی نکتہ آغاز ضرور ہے۔ جس چیز کا نکتہ آغاز ہے تو لازمی طور پر اس کی علت ہونی ہی چاہئے۔ اگر کسی کا نکتہ آغاز ہی نہ ہو اس کی علت ہونا ضروی نہیں۔ چونکہ کائنات کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ اس کا نکتہ آغاز ہے اس لئے اس کی علت ہونی لازمی ہے۔ چونکہ خدا کے بارے میں ایسے کسی دعوے کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے اس لئے خدا کی علت کی جستجو بے کار ہے۔

کچھ یونانی فلاسفہ کا یہ دعوی تھا کہ اجرام سماوی جیسے سورج اور تارے مستقل ایک ہی کیفیت میں ہیں اور صدیوں سے ان کی گرمی یا روشنی میں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں کی گئی۔اس لئے یہ قدیم ہیں اور اسی بناپر خدا کے وجود ثابت نہیں ہو تا۔امام غزالی نے یونانی فلاسفہ کے دعوے کی تردید یوں کی کہ ان کے بقول یہ اجرام سماوی اتنی بڑی چیزیں ہیں کہ اگر ان کی روشنی یا گرمی میں کوئی کمی بھی ہو رہی ہو تو وہ اتنے دھیرے دھیرے ہو گی کہ صدیوں میں معلوم نہیں ہو گا۔ خدا کی علت کے سوال کے جواب میں ایک اور نکتہ بھی ہے۔ چلئے فرض کر لیتے ہیں کہ کائنات کی علت زیڈ ہے۔ تو سوال پیدا ہو تا ہے کہ زیڈ کی علت کیا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں کہ زیڈ کی علت وائی ہے۔ تو سوال پیدا ہو تا ہے کہ وائی کی علت کیا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں کہ وائی کی علت ایکس ہے۔ تو سوال پیدا ہو تا ہے کہ ایکس کی علت کیا ہے۔ فرض کر لیتے ہیں کہ ایکس کی علت ڈبلیو ہے۔ اس طرح آپ مانتے چلے جائیں تو یہ ایک لامحدود سیریز ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ سیریز سچ مچ

لامحدود ہے تو پھر کائنات کا وجود ہی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم ہیں اور آپ بھی ہیں۔ تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ کوئی علت اولی ہے جو بذات خود موجود ہے۔ اور کائنات کے بارے میں یہ بات محقق ہے کہ وہ علت اولی کائنات نہیں ہے۔ یہی علت اولی خدا ہے۔ آج کے دور میں کچھ ایسی دریافتیں ہوئیں جن کی بنیاد پر یہ آرگیومنٹ مزید مستحکم ہو گیا۔

اینٹروپی کی دریافت کی وجہ سے یہ بات تمام کے نزدیک قابل قبول ہو گئی ہے کہ کائنات متغیر اور روبہ زوال ہے۔ یعنی کائنات میں قوت موجود ہے لیکن ناقابل استعمال ہوتی جارہی ہے اور بلینیوں سال کے بعد کائنات کی تمام قوتیں غیر مفید ہو جائیں گی اور کائنات ایک فرسودہ اور یونی فارم شکل اختیار کرے گی جس میں قوت کا تنوع نہیں ہو گا۔ بغیر تنوع کے زندگی اور حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ لنک ملاحظہ کیجئے:

http://en.wikipedia.org/wiki/Heat_death_of_the_universe

کائنات کے وجود کے بارے میں سائنسی حلقوں میں ایک ہی تھیوری اب قابل قبول ہے اور تمام تجربات اس کی تصدیق کرتے جارہے ہیں اور وہ تھیوری بگ بینگ تھیوری کہلاتی ہے۔ بگ بینگ تھیوری بھی اور اینٹروپی کا نظریہ بھی ایک بات کی تصدیق کرتا ہے اور وہ یہ کہ کائنات ازلی نہیں ہے۔ ایک چیز حادث ہے تو لازماً اس کی علت ہونی چاہیئے۔ ایک چیز قدیم ہے اور جس کی کوئی ابتداء نہیں، ممکن ہے کہ اس کی علت نہ ہو۔ تو جناب یہاں پر بات صرف علت کی نہیں بلکہ علت اولی کی ہے۔ خدا کو ثابت کرنے کے لئے علت کی جو دلیل دی جاتی ہے وہ صرف علت کے نہیں بلکہ علت اولی حوالے سے ہے۔ تو جناب یہاں پر یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ کوسمولوجیکل آرگیومنٹ، علت و معلولی کی دلیل، بگ بینگ تھیوری اور انٹروپی کی باتیں ایک ہی چیز کے حوالے ہو رہی ہے۔

ملحدین کی لاجیکل تردید میں قرآن کی ایک عظیم آیت:

قرآن نے ملحدین کے خلاف ایک بہت مضبوط اور لاجیکل دلیل پیش کی ہے یہ پوچھ کر کہ:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾[1]

ترجمہ: کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو اِنہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔

قرآن کی ان دو آیات میں دو بہت اچھے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا یہ (کافر و ملحد) لوگ عدم سے وجود پا گئے ہیں؟ اور دوسرا یہ کہ کیا انہوں نے خود کو اور اپنے ارد گرد ہر چیز کو خود ہی پیدا کر لیا ہے؟۔ یہ دونوں سوالات ملحدین کی منطقی نامعقولیت کو ظاہر

---

[1] الطور، ۳۵-۳۶

کرنے کے لئے ہیں۔ ملحدین کی دنیا وہ ہے، جہاں کوئی تخلیق کار نہیں، کوئی خدا نہیں، لہٰذا خدا نے تو ہمیں بنایا نہیں۔ اگر یہ بات درست ہے کہ کوئی ہمیں تخلیق کرنے والا نہیں تو اس انکار کے بعد دو ہی راستے ہیں کہ یا تو یہ مانئے کہ ہم عدم سے خود ہی وجود پا گئے ہیں۔ یعنی پہلے کچھ نہیں تھا اور ہم "کچھ نہیں" سے تخلیق ہو کر اچانک ظاہر ہو گئے۔۔۔ اور یا یہ کہ ہم نے ہی اس کائنات کو اور خود کو تخلیق کر لیا ہے؟

ملحدین کا "عقیدہ" یہ ہے کہ ہماری اور ہمارے ساتھ کائنات کی تخلیق بس تکے سے، بغیر کسی وجہ کے، ہو گئی اور خود بخود ہی ہو گئی۔ یہ انتہائی نامعقولیت پر مبنی بات ہے۔ بلکہ یہ کہنا عین انصاف پر مبنی ہو گا کہ خدا کے وجود پر یقین رکھنے کے لئے ہمیں جس مقدار میں "عقیدہ" کی ضرورت ہے، اس سے کہیں زیادہ ملحدین کو اس بغیر خدا والی کائنات پر ایمان لانے کے لئے "عقیدہ" بلکہ اندھے عقیدے کی ضرورت ہے۔

یہ بات تو سائنسی طور پر بھی طے پا چکی ہے کہ ہماری کائنات کی ابتدا ہے۔ (مختصراً اس طرح کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے، کہکشائیں ایک دوسرے سے دور جا رہی ہیں اور سائنسدانوں نے ان کی ولاسٹی اور موجودہ پوزیشن کو جانچ کر ایک فیصد ایرر کے ساتھ یہ بھی طے کر دیا ہے کہ کائنات کی ابتدا کب ہوئی اور پھر تھرموڈائنامکس کا دوسرا قانون)۔ گویا ہماری کائنات کی ابتدا کا کوئی نہ کوئی وقت تھا۔ لہٰذا اگر ملحدین کے نظریہ پر پرکھیں تو ہمیں واقعتاً اس بات پر "اندھا ایمان" لانا پڑے گا کہ کائنات "عدم" سے وجود میں آ گئی۔ اور "عدم سے وجود" پانے کے عقیدہ کو عقلاً محال "ثابت" کرنے کی بہر حال کوئی ضرورت نہیں۔ کہ یہ خود اپنے آپ ہی اپنی نامعقولیت کا ثبوت ہے۔

بہر حال، ملحدین کی خدا کے بغیر والی دنیا، عدم سے (بغیر کسی مقصد اور وجہ کے بس یونہی) اچانک وجود میں آئی۔ پھر واقعات کے تسلسل نے اسی کائنات میں "زمین" نامی سیارہ بنایا۔ پھر زمین کی فضا بھی زندگی کے لئے سازگار ہو گئی، پھر پانی سے ایک زندہ خلیہ نمودار ہو گیا (پانی کہاں سے آیا، اور مردہ سے زندہ کیسے نمودار ہو گیا مت پوچھئے)۔ اور پھر اس ایک خلئے سے کروڑہا اقسام کی مخلوق، چرند پرند، رینگنے والے، اڑنے والے، چلنے والے حیوانات پیدا ہوئے۔ اور ہر مخلوق نے اپنی الگ الگ شناخت بھی بہر حال برقرار رکھی جیسا کہ آج ہمیں نظر بھی آتا ہے۔ اور پھر بغیر کسی وجہ کے تکے سے ہی ایک شعوری مخلوق پیدا ہو گئی، جسے حضرت انسان کا لقب ملا۔ پھر ان سب مخلوقات میں بشمول حضرت انسان تولید کا سلسلہ بھی چل نکلا، لہٰذا اب دوبارہ اس کی ضرورت نہیں کہ پانی سے ایک خلیہ نمودار ہو اور پھر یہ خلیہ ایک طویل عرصے اور جدوجہد سے گزر کر انسان بنے۔ بلکہ انسان نے خود ہی اپنی تولید کا آسان نظام "تخلیق" کر لیا اور خود ہی اپنا "خدا" بن گیا۔۔!

ملحدین کا بغیر خدا کے کائنات کے پیدا ہونے والا نظریہ ایسا ہی ہے کہ یہ مانا جائے کہ ایک پیدا ہونے والا بچہ بغیر ماں باپ کے، بغیر کسی لیبارٹری کے، بغیر کسی پہلے سے موجود میٹیریل کے، یونہی عدم سے اچانک وجود میں آ گیا۔ اور پھر پیدا ہونے کے بعد خود ہی اپنے آپ

میں سروائیو بھی کر گیا۔ اور پھر اس بچے نے خود کو مرد و عورت کے روپ میں بھی دھار لیا، تاکہ آئندہ عدم سے وجود نہ لینا پڑے، بلکہ آسان طریقے سے مزید بچے پیدا کئے جا سکیں۔ بھلا یہ عقل کی بات ہے ؟ یا یہ عقلا ممکن بھی ہے ؟ کوئی مذاہب کا ماننے والا کہے کہ خدا موجود ہے کیونکہ اس کی تخلیق موجود ہے تو اسے تو یہ ملحدین نامعقول، غیر منطقی، عقل سے ماوراعقیدہ قرار دیں، جسے مذہب نے تھوپا ہے۔ اور کائنات کی ابتدا کے بارے میں خود انہی "عاقلوں" کے جو "عقائد" ہیں، ان کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے یوں کہا جائے کہ جی میری ماں نے خود اپنے آپ کو پیدا کر لیا ہے۔

سائنسی طور پر بہر حال "ثابت" یہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی خدا ہے جس نے یہ کائنات بنائی، لیکن اس کی تردید بھی سائنسی بنیادوں پر نہیں کی جا سکتی۔ اور عقلا بھی یہ محال نہیں کہ کوئی عظیم ڈیزائنر، کوئی عظیم انجینئر، کوئی عظیم بائیولوجسٹ بہر حال ہے، جس نے یہ سب ڈیزائن کیا، بنایا اور پھر ہر چیز بہترین تناسب میں مقرر کر دی۔

لیکن دوسری جانب یہ کہنا کہ کائنات نے خود اپنے آپ کو پیدا کر لیا، یا "عدم" سے خود ہی یہ کائنات بن گئی، عقلا ہی محال و ناممکن امر ہے۔ جیسا کہ کسی بچے کا خود ہی پیدا ہو جانا، کسی کے کھلائے پلائے بغیر زندہ رہنا، پھر خود ہی مرد و زن میں منقسم ہو کر اپنی تولید کا نیا نظام بنا لینا، عقلا ناممکن و امر محال ہے۔ چونکہ قرآن کی ان آیات میں پوچھے گئے دونوں سوالات کے جوابات نفی میں ہی ہیں۔ تو جب تک کوئی تیسرا نظریہ پیش نہ کر دیا جائے یہ بات از خود پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ یہ کائنات خدا نے ہی تخلیق کی ہے۔ سائنس، منطق اور فلسفے نے نظریہ الحاد کو دیوالیہ کر دیا ہے۔ وہ خود اپنے ہی قائم کیے گئے اصولوں کے تحت خود کو رد کر رہا ہے۔ وہ زندگی اور کائنات سے متعلق اہم ترین سوالات کے جوابات دینے میں ناکام ہے۔ ان سوالات کے جوابات دینے کے لیے اسکو عالمی طور پر تسلیم شدہ اصولوں، سچائیوں اور طریقہ کار سے انحراف کرنا ہو گا لیکن ایسا کرنے سے سارا علم ہی باطل ہو جائیگا اور کوئی چیز ثابت اور متعیّن نہیں کی جا سکے گی۔

" ہر وجود یا واقعے کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے " الحاد کا یہ اہم ترین اصول کائنات کے وجود کے معاملے میں خود الحاد کی بنیادیں ہلا دیتا ہے۔ دو ممکنات ہیں۔ یا کائنات لامتناہی وقت سے ہے یا ایک خاص وقت وجود میں آئی۔ کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔ اگر لامتناہی وقت سے ہے تو سائنس کے قانون کے مطابق اسکو لامتناہی وقت پہلے ہی اپنی ساری توانائی استعمال کر کے ٹھنڈا ہو جانا چاہئے تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مادے اور توانائی سے بنی یہ کائنات کسی اور شکل میں لامتناہی وقت سے موجود تھی اور پھر تبدیل ہو کر موجودہ شکل اختیار کی تب اسی اصول کے مطابق لامتناہی وقت سے ہی اس تبدیلی کا سبب یا محرک موجود تھا اور یہ تبدیلی لامتناہی وقت پہلے آجانی چاہئے تھی۔ کائنات کو پھر بھی لامتناہی وقت پہلے ٹھنڈا ہو جانا چاہئے تھا۔ سبب والے اصول کے مطابق کائنات کی موجودہ شکل ناممکن ہے۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ کائنات کا کسی بھی شکل میں کوئی وجود نہیں تھا۔ تب یہ کیسے وجود میں آئی ؟؟ الحاد اس کا جواب دینے سے قاصر ہے۔

دوسری صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ کائنات ایک خاص وقت میں عدم سے وجود میں آئی۔ (بگ بینگ تھیوری بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے) کائنات کے وجود میں آنے کا سبب یا محرک بیرونی تھا جو اسکو عدم سے وجود میں لایا یا دوسرے لفظوں میں

اسکو "پیدا" کیا۔اندرونی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ایک چیز موجود ہی نہیں تھی تو اسکا اندرونی سبب کہاں سے آگیا جو اسکو پیدا کرے ۔۔۔!اب ذرا یہ نقطہ زیادہ غور سے سمجھنے کا ہے کہ وہ بیرونی محرک یا سبب شعور سے عاری ہرگز نہیں ہو سکتا۔کیوں۔۔۔؟اگر وہ محرک شعور سے عاری تھا تب وہ مادے اور توانائی ہی کی کوئی اور شکل تھی اسلئے لازمًا وقت بھی موجود تھا کیونکہ کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ شعور سے عاری سبب یا محرک عدم سے وجود نہیں بخش سکتا۔اگر کر سکتا ہے تو کیسے۔۔۔؟اسلئے وقت کی موجودگی میں اسی لامتناہی وقت والے مسلئے کا سامنا کرنا ہوگا۔سب سے اہم پیدا کرنے کے لیے ارادہ ضروری ہے اور ارادے کے لیے شعوری لازم۔اسکے علاہو کونسی صورت ممکن ہے؟یقیناً وہ بیرونی محرک یا سبب عظیم شعور اور عظیم طاقت کا مالک ہے جس نے کائنات کی پیدائش کا ارادہ کیا اور معجزانہ انداز میں کائنات کو پیدا کیا۔اس آخری بات کو تسلیم کرنے کے بعد ہمیں خوبخود ایک اور اہم ترین سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ ۔۔۔"اگر کائنات ایک دھماکے سے وجود میں آئی تو اس کے ایک معمولی ایٹم سے لے کر عظیم الشان کہکشاوؤں تک میں ایک غیر معمولی نظم اور اصول کیوں کارفرما نظر اتے ہیں۔۔"

اس حیران کن نظم کو الحاد نہایت ڈھٹائی سے "اتفاق" قرار دیتی ہے!کائنات کو تخلیق کرنے والے اس محرک کو ہم خدا کہتے ہیں۔ خدا کے وجود سے انکار ہمیں ایک ایسی جگہ کھڑا کرتی ہے جہاں ہمیں ہر راستہ بند ملتا ہے۔یہاں سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر ہر شے کا خالق خدا ہے تو خدا کا خالق کون ہے؟؟ پھر اس کا خالق کون ہے اور پھر اسکا خالق کون؟؟یوں یہ لامتناہی خداوؤں کا ایک سلسلہ بن جاتا ہے۔لیکن لامتناہی خداوؤں کے وجود کا تصور ہی اسکو باطل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ہمیں لازمً ایک ایسے خالق کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جسکا خالق کوئی نہ ہو۔یعنی اسکو کسی نے پیدا نہ کیا ہو۔خالق لامتناہی نہیں تو کتنے ہیں؟؟اس سوال کا جواب قرآن ایک مثال کے ذریعے دیتا ہے کہ اگر خدا ایک سے زیادہ ہوتے تو ان میں اختلاف ہوتا۔یہ نہایت سادہ لیکن بہت ہی اہم نقطہ ہے۔اگر خالق ایک سے زائد ہیں تب ان میں اختلاف لازم ہے۔اگر الحاد کہے کہ کبھی کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تب وہ ایک ہی وجود تسلیم کیا جائیگا۔لیکن اگر اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں تو۔۔۔۔۔کونسا خدا غالب آئیگا کونسا مغلوب ہوگا نیز اس اختلاف کے بعد مخلوق کا وجود بلکہ خود خالق کا وجود کیسے باقی رہ سکے گا؟؟

تب ہمارے پاس یہی چارہ رہ جاتا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کے وجود کو تسلیم کرلیں جو ہر شے کا خالق ہے اور جس کو کسی نے پیدا نہیں کیا نہ ہی کوئی اسکا ہمسر ہے۔

نظریہ ارتقاء یا ایویلوشن نے الحاد کی کمر توڑ دی ہے:

بنیادی طور پر یہی وہ سائنسی نظریہ ہے جس پر الحاد سب سے زیادہ انحصار کرتا ہے لیکن ہوا یہ کہ اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے اس پر بہت زیادہ تحقیق کی گئی جس کے نتائج نے الحاد کو بلکل ہی بے آسرا کر دیا ہے۔زندگی یا جاندار کیسے وجود میں آئے؟صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی۔۔۔" جاندار خو بخو د وجود میں آئے۔"

دوسری۔۔۔۔"انکو تخلیق کیا گیا۔"

کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔ الحاد پہلی صورت کا قائل ہے اور اسی کو ثابت کرنے کے لیے نظریہ ارتقاء پیش کیا گیا ہے۔

اس نظریے کے مطابق زمین پر مناسب ترین ماحول بنا(جو ابھی ثابت نہیں ہوا) پھر مختلف کیمیکلز نے اتفاقً مناسب ترین مقدار میں ملکر ایمینو ایسڈز بنائے۔ پھر اتفاقً یہ امینو ایسڈز ایسے تناسب سے ملے جن سے مختلف قسم کے پروٹینز بنے۔ پھر ایک حیرت انگیز اتفاق کے تحت ان پرٹینز نے ایسے اعضاء بنائے جن سے خلیہ بن سکتا تھا اور محض تکے سے ان اعضاء نے ملکر ایک زندہ خلیہ بنالیا۔ پھر اس خلیے نے بیرونی اثرات کے سبب اتفاق سے ہی پیچیدہ جانور بنالیے۔ ان اتفاقات کا امکان کتنا ہے۔ خود ماہرین ایک مثال دیتے ہیں کہ:

"اگر کائنات میں موجود سارے ایٹم امینو ایسڈز میں تبدیل ہو جائیں اور انکو مطلوبہ ماحول اور اربوں سال کا وقت دیا جائے۔ تب بھی وہ" محض اتفاق سے "کوئی ایک درمیانہ سائز کا فنکشنل پروٹین نہیں بناسکتے۔"

جبکہ ایک زندہ خلیہ ایسے بہت سے ایسے اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے جو اس خلیے کو زندہ رکھنے کے لیے الگ الگ امور سرانجام دیتے ہیں اور وہ ہر عضو صرف اسی عضو کے لیے درکار مخصوص پروٹینز کے انتہائی درست تناسب سے ملکر بنتا ہے۔" ایک برتن میں لوہے کے بہت سارے ٹکڑے ڈال کر انکو اربوں سال تک ہلایا جائے تو کیا ان سے اتفاقً ایک ناخن تراش بن سکتا ہے ؟؟۔" اس اتفاق پر دنیا کا کوئی ایویلوشنسٹ یا ملحد یقین نہیں کرے گا لیکن "خلیے" کے معاملے میں درکار لامتناہی اور ناممکن اتفاقات پر وہ اندھا یقین رکھتے ہیں۔ ایک خلیے نے ذاتی بقا کے بجائے اجتماعی بقا کیسے سیکھی تاکہ پیچیدہ جاندار جیسے پودے اور جانور بنائے جا سکیں؟؟؟ جس کے تحت وہ نہ صرف اس جاندار کے اندر اپنی ایک مخصوص ذمہ داری سنبھالے گا بلکہ ایک پروگرام کے تحت مرے گا بھی؟؟ جبکہ نظریہ ارتقاء یا ڈارون ازم کے مطابق " جاندار زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہیں "سب سے بڑھ کر بے عقل ذرات یا کچھ کیمیکلز نے مستقبل کی یہ ساری منصوبہ بندی کی کیسے ؟؟ ڈی این اے خلیے کے اندر پایا جانے والا ایک نہایت پیچیدہ کوڈ ہے جس میں اتنی معلومات ہوتی ہیں جو شائد انسائکلوپیڈیا یا ویکیپیڈیا میں ہوں۔ اگر یہ کہا جائے کہ "بہت سے بندروں کو ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھا دیا گیا جنہوں نے ٹائپ رائٹرز پر کئی ارب سال تک بے تکے انداز میں ہاتھ مارنے کے بعد اتفاقً شیکسپئر کی طرح کا کوئی ڈراما تخلیق کر لیا"۔۔۔ تو اس بات کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا بمع نظریہ ارتقاء پر یقین رکھنے والوں کے۔ لیکن وہ سب اس بات پر بضد ہیں کہ خلیے کے اندر پایا جانے والا کائنات کا سب سے پیچیدہ کوڈ محض اتفاقً لکھا گیا ہے۔! نہ صرف یہ بلکہ اس نظریے کے مطابق ڈی این اے میں درج معلومات میں تابکاری جیسے بیرونی عوامل نے ایسی حادثاتی تبدیلیاں کیں جس سے نئے اور بہتر جانور وجود میں آئے۔ اسی کو میوٹیشن کہتے ہیں۔ مثلاً بیر وانی عوامل (تابکاری وغیرہ) نے اتفاقً مچھلی کی ڈی این اے میں ایسی حادثاتی تبدیلیاں کیں کہ اس کو پانی میں رہنے کے لیے گلپھڑے، پر اور چھلکے مل گئے ؟ مچھر کے ڈی این اے کو ایسے متاثر کیا کہ اسکو اتفاقً خون پینے کے لیے پائپ اور آرے کے ساتھ ایسا کیمکل بنانے کا میکنزم بھی مل گیا

جو خون کو جمنے نہیں دیتا۔۔۔؟ برفانی علاقوں میں رہنے والے ریچھ کے ڈی این اے کو اتفاقً ایسے انداز میں متاثر کیا ہے کہ اس کو موٹی کھال اور بال مل گئے تا کہ وہ برف میں رہ سکے۔۔۔؟ اونٹ کے ڈی این اے کو محض تکے سے ایسے متاثر کیا کہ اسکو پانی ذخیرہ کرنے کے لیے معدے میں ایک فالتو خانہ مل گیا اور نیچے سے نرم اور چوڑے پاؤں تا کہ صحرا میں گزارا کر سکے۔۔۔؟

نظریہ ارتقاء یہاں بے بسی کی تصویر نظر آتا ہے اور اسکے پاس ان "اتفاقات" کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ نظریہ ارتقاء پیش کرنے والے ڈارون نے اپنے نظریے کے لیے سب سے زیادہ امیدیں فوسل ریکارڈ سے باندھی تھیں اور درحقیقت یہی اس نظریے کا سب سے بڑا ثبوت ہونا چاہئے تھا۔ لیکن فوسل ریکارڈ نے اس نظریے کے تابوت میں آخری کیل ٹونک دی ہے۔ ارتقائی اصول کے مطابق درمیانی شکل کے جانداروں کی تعداد دیگر موجود جانداروں سے سینکڑوں گنا زیادہ ہونی چاہئے اور اس طرح لازمً ان کے فوسلز بھی اسی تناسب سے سینکڑوں گنا زیادہ ملنے چاہئیں تھے۔ لیکن ایک حیرت ناک اور نا قابل یقین بات ہے کہ لاکھوں ملنے والے فوسلز میں سے اب تک کوئی ایک بھی ایسا فوسل نہیں ملا جس کو نا قابل تردید "مسنگ لنک" (درمیانی شکل کا گمشدہ جانور) کہا جا سکے۔ جن فوسلز کو وقتاً فوقتاً مسنگ لنکس کہا جاتا رہا وہ ایک ایک کر کے یا فراڈ ثابت ہوئے یا وہ مسنگ لنکس تھے ہی نہیں۔ ارتقاء اسکو بھی اتفاق ہی کہتا ہے!

دوسری بات بہت سے ایسے جانداروں کے فوسل ملے ہیں جو کروڑوں سال بعد بھی بغیر کسی تبدیلی کے آج تک زندہ ہیں۔ ان میں ارتقاء کا عمل کیوں نہیں ہوا اور وہ کروڑوں سال بعد بھی ویسے کے ویسے کیوں ہیں؟ ارتقاء کے پاس اسکو بھی محض اتفاق کہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

تیسری اہم ترین بات کہ فوسلز ریکارڈ جانداروں کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حیرت انگیز انداز میں ہر دور کے جاندار اچانک ہی زمین پر نمودار ہوتے اور اچانک ہی غائب ہوتے نظر آتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے اس پر ارتقاء اور فوسلز دونوں خاموش ہیں کیوں؟ شائد یہ بھی کوئی اتفاق ہی ہے۔؟ چند بے شعور اور اندھے بہرے کیمکلز نے کیسے شعور، عقل، اخلاقیات اور خدا تک کا تصور پیدا کیا؟ ارتقاء نامی نظریہ ۱۰۰ سال بعد بھی اپنا "خود کا ارتقاء" نہیں کر سکا اور اب بھی وہیں کا وہیں کھڑا ہے۔ وہ اب تک محض ایک نظریہ ہی ہے سائنسی اصول نہیں بن سکا ہے کیوں؟ (اس نظریے پر ہونے والی محنت، وقت اور سرمایہ حیاتیات کے دیگر ایسے شعبوں پر صرف کیا جا سکتا تھا جس سے نوع انسانی کو کوئی فائدہ پہنچتا)

مچل رس نامی ایولوشنسٹ سائنسدان تسلیم کرتا ہے کہ " نظریہ ارتقاء" سائنس نہیں بلکہ مذہب ہے اور یہ بات اس نظریے کے شروع میں بھی سچ تھی اور اب بھی سچ ہے۔" (اگر آپ سائنس میں مذہب نہین پڑھا سکتے تو نظریہ ارتقاء کیوں پڑھایا جاتا ہے؟)

چونکہ نظریہ ارتقاء کو الحاد سائنسی نظریہ کہتا ہے نہ کہ عقیدہ یا ایمان تب اسکو ثابت یا رد کیا جا سکتا ہے اور اب تک کی تحقیق نے اسکو صرف رد کیا ہے۔ اس لیے ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں سوائے اسکے کہ ہم دوسرے آپشن کی طرف جائیں۔ یعنی ہم یہ تسلیم کر لیں کہ جاندار خود نہیں بنے بلکہ انکو تخلیق کیا گیا ہے اور ظاہر ہے۔" تخلیق کے لیے خالق کا وجود لازم ہے۔"

ایک عظیم خالق کا وجود تسلیم کرنے کے بعد ان لامتناہی، محال، لایعنی اور احمقانہ "اتفاقات" سے ہماری جان چھوٹ جاتی ہے۔

الحاد کے پاس اخلاقی پیمانے مقرر کرنے یا کسی کام کے اخلاقی لحاظ سے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ در حقیقت وہ اس پر بات ہی نہیں کرتے۔ یہ ہونا چاہئے اور یہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں ہونا چاہئے اور کیوں نہیں ہونا چاہئے کوئی جواب نہیں۔ الحاد کی دنیا میں جھوٹ، دھوکہ، چوری غلط ہیں تو کیوں اگر صحیح ہیں تو کیوں ؟۔ الحاد کہتا ہے کہ۔ "ہم معاشرے کو بہتر بنانا چاہتے ہیں اور جھوٹ، دھوکہ، فریب وغیرہ معاشرے کے لیے نقصان دہ ہیں۔"۔۔۔ لیکن یہ جواز یا دلیل ایک فرد واحد پر کیسے کام کرتی ہے ؟ اسکا الحاد کے پاس کوئی جواب نہیں۔ جبکہ فرد واحد ہی معاشرے کی اکائی ہوتا ہے۔ نظریہ الحاد کے مطابق اس زندگی کے بعد کچھ نہیں۔ تب عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی سے زیادہ سے زیادہ لذت کشید کر لیں۔ الحاد ہمارے اس مقصد کو غلط کیسے کہے گی ؟ لیکن اگر ہمارا یہ مقصد صحیح ہے تو،

کوئی انسان قانونی خطرے سے بچتے ہوئے چوری کر سکتا ہو تو کیوں نہ کرے ؟

ماں یا بہن سے شادی کیوں نہ کرے ؟

غیبت اور چغلی کیوں نہ کرے جبکہ وہ اس کے ذریعے اپنے مقابل سے آگے نکل سکتا ہے ؟

کسی مرے ہوئے صحت مند انسان کا گوشت کیوں نہ کھائے جبکہ وہ ضائع ہو رہا ہو ؟

وعدہ توڑنے میں خود کا کوئی نقصان نہ ہو تو کیوں نہ توڑے ؟

مرتے ہوئے بھوکے شخص کو کھانا کیوں دے ؟

الحاد مجھے یہیں بیچ میں روکتے ہوئے دوبارہ کہے گا کہ "ایک اچھے معاشرے کے قیام کے لیے۔۔۔" تو میرا سوال پھر بھی وہیں کا وہیں رہے گا کہ "اجتماعی مفاد پر انسان اپنا ذاتی مفاد کیوں قربان کرے ؟ جبکہ اسکے پاس صرف یہی زندگی ہے ؟" مجھے بتائیں یہ "قربانی" کیسے عقل کے خلاف نہیں ؟ یہاں وضاحت کر دوں کہ کوئی ملحد اچھے اخلاق کا حامل ہو سکتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں۔ معاملہ "اختیار" کیے گئے اچھے اخلاقیات کا ہے۔ یہ وہ اخلاقیات ہوتے ہیں جو کسی سبب سے اختیار کیے جائیں۔ انکا ان اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں جو ہر شخص اپنی الگ فطرت کے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔

الحاد کے پاس یہ کہنے کے سوا کچھ نہیں "کہ لوگ خود ہی اخلاقی اقدار اپنائیں۔" لیکن یہ فارمولہ صرف ان لوگوں پر کام کر سکتا ہے جو فطرتاً اچھے ہیں جو نہیں ہیں ان پر یہ فارمولہ کیسے کام کرتا ہے ؟ اسکا جواب نہیں۔ وہ یہ سارا معاملہ انسانوں کی فطرت پر چھوڑنے پر مجبور ہیں جو نہایت خطرناک ہے ! کیوں خطرناک ہے ؟

ذرا اپنے ارد گرد نظر ڈالیے۔ آپ کو دنیا میں جو جنگ و جدل اور فساد برپا نظر آرہا ہے اسکے پیچھے انسان کی فطرت میں موجود لالچ، ھوس اور کینہ وغیرہ بنیادی کردار ادا کررہے ہیں۔ یہ جنگ و جدل اور فساد اکثریت کی فطرت کا مظہر ہے۔ اس فطرت کے مالک انسانوں کو آپ یہ بتارہے ہیں کہ " آپ کے پاس صرف یہی زندگی ہے لیکن "معاشرے کی بہتری" کے لیے آپ بہت سی چیزوں سے اپنا ہاتھ روک لیں۔ "لالچ، ھوس اور کینے سے بھری فطرت کا مالک، عقل کا پیکر یہ خود غرض انسان آپ کی بات کیوں مانے گا؟؟ ڈارون اور کارل مارکس جنکے نظریات پر الحاد کی عمارت کھڑی ہے اس پر متفق ہیں کہ "زندگی بقا کی جدوجہد" ہے۔ آپ ذرا غور کریں صرف یہ نظریہ ہی انسان کو ایک خوفناک قسم کا جارحانہ اور خود غرضانہ طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ اخلاقی پیمانے کون مقرر کرے گا۔ کسی معاملے پر آپکا نقطہ نظر صرف آپکا نقطہ نظر ہے کسی اور کا مختلف ہو گا۔ تو کس کا صحیح مانا جائیگا؟۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اخلاقی پیمانے انسانوں سے ہٹ کر کوئی ہستی مقرر کرے اور ان کے لیے انسان کو لازمً جواب دہ ٹہرائے۔ وہ ہستی لازمً ایسی ہونی چاہئے جو انسان کی نیتوں تک کا حال جانتی ہو۔ اپنی بے بسی سے تنگ الحاد بعض اوقات ایسی وضاحتیں پیش کرنے لگتا ہے جس سے کچھ بھی درست ثابت کیا جاسکتا ہے۔ یا اپنی ناکامی تسلیم کیے بغیر یہ سوال کرنے لگتا ہے کہ "خدا کا وجود ثابت کرو۔" حالانکہ ہم بار بار یاد دہانی کرواتے ہیں کہ اس کے وجود پر ہمارا "ایمان" ہے۔ جس کے لیے ہمیں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ الحاد اپنے نظریے ثابت کرنے کا دعوی کرتا ہے تو کرکے دکھائے؟ الحاد کی اسی بے بسی نے ملحدین کی ایک ایسی قسم کو جنم دیا ہے جو خدا کا وجود تو تسلیم کرتے ہین لیکن مذاہب کا انکار کرتی ہیں۔

میں نظریہ الحاد کے تمام پیروکاروں اور اس تحریر کے پڑھنے والوں کو دعوت دیتا ہوں کہ۔۔۔ "تم سب کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"۔۔۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

خلاصۂ تحقیق

نتائج

زیر نظر تحقیقی مقالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام الحادی نظریات محظ ذہنی اختراع ہے اور کچھ نہیں۔ اسکا موازنہ جب اسلام سے کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملحدین کی فقط سطحی باتیں ہے جن میں لاجک نام کی کوئی شئے نہیں اور یہ کہ وہ بس ہوا میں تیر چلا رہے ہیں۔ جب یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان بندر سے بنا ہے تو یہ خود سائنس کے اصولوں کے خلاف جا رہے ہوتے ہیں۔ قرآن میں بیان کی گئی جن حقائق کو سائنسدان پہلے غلط تصور کرتے تھے آج وہ سب سچ ثابت ہو گئی ہے۔ جو دریافتیں آج ۲۲ ویں صدی میں ہو رہی ہے وہ ۱۴۰۰ قبل قرآن میں ذکر کی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن کی بیان کردہ جن حقائق پر سائنس آج انگلیاں اٹھا رہی وہ آج نہیں تو کل ان شاء اللہ صحیح ثابت ہو جائینگی۔ لیکن جن کو اللہ ہدایت نہ دے وہ کبھی سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔

تجاویز وسفارشات

آج کی نوجوان نسل سائنس کی طرف رغبت اور قرآن کی دوری کی وجہ سے الحاد کا شکار ہو رہی ہے۔ تحقیقی نتائج کو دیکھتے ہوئے چند سفارشات اہل علم کی نظر کی جاتی ہے۔

- ایک ایسی تنظیم بنانا جن میں وہ لوگ شامل ہو جو اسلام اور سائنس اور بالخصوص الحآدی نظریات کا عمیق مطالعہ اور فہم رکھتے ہو ۔وہ لوگ انکی ذہن سازی اور رہنمائی کرے جو اسلام سے متنفر ہو گئے ہیں۔
- حکومت کا ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر مشتہر تمام اسلام مخالف مواد کو بند کرنا اور پاکستان میں ایسے گروہوں کو ختم کرنا جو محظ اسلام کو نقصان پہنچانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے سرگرم عمل ہیں۔
- والدین کا اپنے بچوں کی صحیح سمت میں رہنمائی کرنا اور بچپن ہی سے انکی سرگرمیوں پر کھڑی نظر رکھنا۔

فنی فہارس

فہرست قرآنی آیات

صفحہ نمبر	قرآنی آیات	نمبر شمار
2	وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ	۱
2	اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۙ	۲
7	وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	۳
7	اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ	۴
	اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.	۵
14	يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ.	۶
14	اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	۷
15	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً	۸
17	قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا۔۔۔۔	۹
24	أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا.	۱۰
25	اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى۔۔۔	۱۱
25	سُبْحٰنَ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔۔۔۔۔۔	۱۲
25	وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا۔۔۔۔	۱۳
25	وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا	۱۴
26	وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ	۱۵
26	وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	۱۶
26	وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ	۱۷

نمبر	آیت	صفحہ
۱۸	ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	26
۱۹	وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا	27
۲۰	وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ	27
۲۱	وكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ	27
۲۲	لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	28
۲۳	تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ	28
۲۴	الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ	28
۲۵	الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ۔۔۔۔۔۔۔	28
۲۶	ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ	28
۲۷	اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ	28
۲۸	اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ	29
۲۹	اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ	29
۳۰	هُوَ ٱلَّذِی خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ	37
۳۱	وَهُوَ ٱلَّذِی خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا	37
۳۲	وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیرًا	37
۳۳	وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۚ أَفَلَا یُؤْمِنُونَ	37
۳۴	هُوَ ٱلَّذِی خَلَقَكُم مِّن طِینٍ	38
۳۵	إِنَّا خَلَقْنَٰهُم مِّن طِینٍ لَّازِبٍ	38
۳۶	وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ	39
۳۷	تَصْلَیٰ نَارًا حَامِیَةً	40

۳۸	يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ	40
۳۹	فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ	40
۴۰	خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ	41
۴۱	وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ	41

فہرست اعلام

مصادر ومراجع

۱. الآلوسی، شہاب الدین ابو الفضل (م ۱۲۷۰ھ) روح المعانی_ داراحیاء التراث العربی ۱۴۰۵

۲. ابن عربی، محمد بن عبد اللہ ابو بکر (م ۵۴۳ھ)۔ احکام القرآن۔ دار الفکر۔ بیروت (سطن)

۳. التھانوی، مفتی جمیل احمد، احکام القرآن، اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ، لاہور

۴. البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح البخاری

۵. ابن حجر، احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، بشرح صحیح البخاری، دارالدیان للتراث (سطن)

۶. مفتی، محمد شفیع، معارف القرآن۔ ادارت القرآن کراچی۔ ۱۴۰۶ھ

۷. الرازی، فخر الدین، تفسیر الکبیر، دارالفکر، بیروت لبنان، طبع ۱۹۹۰ء

۸. البیہقی، ابو بکر ابن احمد (۴۵۸ھ) السنن الکبری، دار المعارفت، بیروت لبنان، (سطن)

۹. الترمذی، ابو عیسی محمد ابن عیسی بن سورہ (م ۲۷۹ھ)

۱۰. سنن الترندی، قدیمی کتب خانہ کراچی (سطن)

۱۱. حاکم، محمد ابن عبد اللہ (م ۴۰۵ھ) مستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

۱۲. مودودی، ابو الاعلیٰ (سید) م– ۱۳۹۹ھ تفہیم القرآن۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور (سطن)

۱۳. الصابونی، روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام من القرآن–دار احیاء التراث العربی۔

۱۴. پانی پتی، محمد ثناء اللہ (قاضی) (م– ۱۲۲۵ھ) تفسیر المنظری–سعید کمپنی کراچی ۱۹۸۰

۱۵. الجصاص، احمد بن علی ابو بکر (م ۳۷۰ھ) احکام القرآن۔ کھیل اکیڈمی لاہور۔ ۱۹۸۰

۱۶. حاکم، محمد ابن عبد اللہ (م ۴۰۵ھ) مستدرک، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

۱۷. الدار قطنی، امام علی ابن عمر بین دار قطنی، والنشر کتب الاسلامیہ لاہور۔

۱۸. القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۵۶ء

۱۹. کشمیری، محمد انور شاہ(۱۳۵۲)فیض الباری شرح صحیح البخاری، دالفکر الاسلامی لاہور

۲۰. امام، احمد ابن حنبل، المسند، داراحیاء التراث العربي، بیروت لبنان

۲۱. امام، مالک ابن انس(م۱۷۹)الماطاءالمؤسسة الرسالہ، بیروت لبنان ۱۴۱۴۰ھ

۲۲. انسانی، عبد الرحمن ابن شعیب(۳۰۳ھ۳۰۴)الجامع السنن قدیمی کتب خانہ کراچی

۲۳. القرشي، محمد بن احمد(ابن الاخوۃم – ۷۲۹ھ)معالم القریۃ فی احکام الحسبۃ۔ دارالفنون، ہیمرج، ۱۹۳۷ھ

۲۴. الماوردی، ولی بن محمد بن حبیب(ابوالحسن ہم ۴۵۰ھ)الاحکام السلطانیہ، دار الفک للطباعۃ والنشر–بیروت۔(سطن)

۲۵. ابن فرحون، ابراہیم بن علی(قاضی برھان الدین، م۷۹۹)شجرۃ الاحکام فی اصول الاقضیۃ ومنا ہج الاحکام

۲۶. ابن قیم، محمد بن ابو بکر (الجوزیۃ م۔ (۷۵ھ) الطرق الحکمیہ في السیاسۃ الشرعیۃ مطیعۃ السنۃ المحمدیۃ (مصطفی البابي العلم م – ۱۳۷۸ھ۔)

۲۷. ابن عابدین، محمد امین الشیخ(م۳۰۶)ردالمختار علی الدر المختار کوئٹہ ۱۳۹۹ھ

۲۸. ابن حمام، کمال الدین عبد الواحد(م – ۸۶۱ھ)فتح القدیر۔ داراحیاء التراث العربی، بیروت(سطن)

۲۹. الکاسانی، علاؤالدین ابو بکر بن سعود، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۰. الزحیلی، وھبہ(الدکتور)آثار الحرب في الفقہ الاسلامی، دار الفکر، دمشق ۱۴۰۴ھ۔ س

۳۱. السرح، محمد بن احمد –(م ۴۹۰ھ) شرح کتاب السیر الکبیر – بیروت – دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۷ء خدوری مجید، کتاب السیر والخراج والعشر من کتاب الاصل الشیبانی، کراچی، ادارۃ القرآن ۱۹۹۶ء

۳۲. الطرابلسی، علاؤالدین بن الحسن(م۱۰۰۹ھ)معین الحکام مطبعۃ الیمنیۃ–(سطن)

۳۳. المرغینانی، برھان الدین الحسن علی ابن ابو بکر(م–۵۹۲ھ)الحدای مامان(سطن)

۳۴. ابن الاثیر، علی بن محمد (م ۶۳۰) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ – دار احیاء التراث العربی (سطن) ابن الاثیر مبارک بن محمد (م)– ۶۰۶ھ)الکامل فی التاریخ دار صادر الطباعۃ والنشر –بیروت ۱۳۸۴ھ

۳۵. ابن جریر، تاریخ الامم والملوک–روائع التراث العربي–(سطن)

۳۶. الشریف، احمد ابراہیم، مجموعۃ الوثائق الیسیاسیہ (سطن).

۳۷. الطبری، محمد ابن جریر طبری، تاریخ طبری، مکتبہ خیاط بیروت لبنان

۳۸. عفیفی–محمد الصادق الاسلام والمعاھدات الدولیۃ–القاھرہ المکتبۃ الاسلامیہ (سطن)

۳۹. الفھداوی، خالد سلیمان، الفقہ السیاسي للوثائق النبویۃ، المعاہدات، الاحلاف الدبلوماسیہ۔ دار عمان ۱۴۱۹ھ

اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست–لاہور دارالتذکیر ۲۰۰۲ء

۴۰. اصلاحی، امین احسن، جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی اور مسائل لاہور دار التذکیر، ۲۰۰۵ء

۴۱. امام، ابن تیمیہ۔ سیاست الھیہ۔ ادارہ فروغ اردو لاہور۔

۴۲. آزاد، ابوالکلام اسلام کا نظریہ جنگ۔ لاہور بساط ادب ۱۹۸۹ء

۴۳. دکتور محمد المسبارک، نظام الدولۃ والحکم في الاسلام (سطن)

۴۴. الفخری، في الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ۔ مصر ۱۳۱۷ھ

۴۵. السیاسیۃ الشرعیہ في إصلاح الراعي والرعیہ تحقیق محمد عبداللہ الحان نشر مکتبہ آسانی–بغداد

۴۶. اثر تطبیق الحدود فی المجتمع–بحوث جامعۃ الامام السعودیہ– ۱۹۸۴ء